ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

جنوری ۱۹۸۵ء

لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین پر حیات ممکن ہوئی!

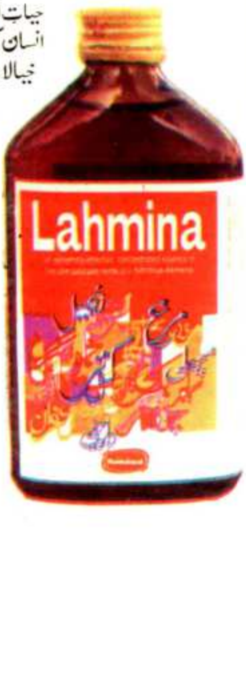

حیاتِ انسانی اور صحتِ جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔ انسان کی انفرادیت وشخصیت اور اعمال و وظائف کی تکمیل اور خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں، پروٹینز، کاربو ہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔

روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور کر دیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشوونما حاصل کرتے ہیں۔

لحمینا بجا طور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابلِ اعتماد غذائی معاون ہے۔

لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال جسم انسانی کی نشوونما کو برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔

خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک

لحمینا — برائے اسٹیمنا

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

Adarts LA-1/81

نئے سال کا خوب صورت تحفہ — ہمدرد آٹو گراف بک بھی اس شمارے کے ساتھ پیش ہے

ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

مجلس ادارت

صدر مجلس **حکیم محمد سعید**

مُدیر اعلا — **مسعود احمد برکاتی**

مُدیرۂ اعزازی — **سعدیہ راشد**

*

ربیع الثانی — ۱۴۰۵ ہجری

جنوری — ۱۹۸۵ عیسوی

جلد — ۳۳

شمارہ — ۱

*

قیمت فی شمارہ — ۴ روپے

سالانہ — ۴۵ روپے

سالانہ (رجسٹری سے) — ۸۱ روپے

*

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ

ناظم آباد — کراچی ۱۸

ٹیلی فون: 616001 سے 616005

ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا۔

اس رسالے میں کیا ہے ؟

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۳
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۴
علمی تحفہ ۔ ایک اہم اعلان	ادارہ	۵
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۶
ٹرالڈا وپن اسکواش	ادارہ	۷
اردو (نظم)	جناب فیض لودھیانوی	۱۴
لال شہزادہ	محترمہ آصفہ مجیب	۱۵
تحفے	باذوق نونہال	۱۹
۶۵ سال کی کہانی	جناب شہزاد منظر	۲۳
راجا آجا (نظم)	جناب انور شعور	۲۷
نمک کا تھیلا	جناب انور کمال حسینی	۲۹
فارسی حکایتیں	جناب اظہر قمر	۳۲
چالاک خرگوش	جناب کرشن چندر	۳۵
نقلی شہزادی	محترمہ سعود جمال	۴۳
اخبار نونہال	ننھے صحافی	۵۲
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۵۵
چھوٹا بارہ سنگھا اور....	....	۵۹
ہمدرد انسائکلو پیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۶۵
دیپ سے سورج (نظم)	جناب عنبر چغتائی	۶۹
بحیرۂ احمر	ادارہ	۷۰
صحت مند نونہال	ادارہ	۷۲
نونہال مصور	ننھے آرٹسٹ	۷۴
معلومات عامہ ۱۲۵	ادارہ	۷۵
کارٹون	جناب مشتاق	۷۶
پرندوں کی دنیا	جناب علی اسد	۷۷
مسکراتے رہو	ننھے مزاح نگار	۸۲
اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۸۴
بزم نونہال	نونہال پڑھنے والے	۸۵
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۹۱
معلومات عامہ ۱۲۳ کے جوابات	ادارہ	۱۱۰

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں ۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں ۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمّے دار نہ ہو گا ۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

مجھے بچّوں سے محبّت ہے۔ بچّے بھی مجھ سے بہت محبّت کرتے ہیں۔ مجھے اُن سے اور اُنھیں مجھ سے مل کر خوشی ہوتی ہے۔ شاید بزرگوں کی بات ہمارے معاملے میں بھی صحیح ہو کہ بچّہ اور بوڑھا برابر ہوتا ہے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ بچّے میرے متعلق جاننا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اِس وقت میں جو کچھ بھی ہوں اُس کے متعلق پوچھتے ہیں کہ میں کس طرح اِس منزل تک پہنچا۔

بات صرف اتنی ہے کہ میں نے شروع ہی سے اپنے کو محنت کا عادی بنایا اور آرام و راحت کو پاس نہیں آنے دیا۔ مایوسی بھی مجھ پر کبھی غالب نہیں آئی، اس لیے جدوجہد کی رفتار کو کبھی سُست نہیں ہونے دیا۔ اس عادت کے بنانے میں میری تربیت کا بڑا دخل ہے۔ میری آپا (والدہ صاحبہ مرحومہ) اور بھائی جان (محترم جناب حکیم عبدالحمید صاحب) نے مجھے یہی سبق پڑھایا اور خود اُن کا نمونہ بھی میرے سامنے تھا۔ محنت ہی سے میں نے علم حاصل کیا اور محنت ہی سے میں طِب کے فن میں آگے بڑھا۔ مسلسل محنت نے ہر پتّھر کو میرے راستے سے ہٹا دیا۔

محنت کے ساتھ خدمت کرنے کے جذبے نے بھی مجھے قوت بخشی اور میرے کردار کو ڈھالا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے عمل کی صلاحیت بخشی اور مجھے انسانوں کی خدمت کا اہل بنایا۔ اس کے علاوہ میری کامیابی کا اور کوئی راز نہیں ہے۔ میری تمنّا ہے کہ میرے وطن کا ہر نونہال اس راز کو سمجھ لے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

وقت کی ایک اکائی اور لپٹ گئی! ۱۹۸۴ء پیچھے چلا گیا، ماضی بن گیا۔ اب ہم ۱۹۸۵ء میں آ گئے۔ زمانہ ہمیں یونہی گنتی گنا تا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ ہم بھی آگے بڑھ رہے ہیں۔ جو لوگ زمانے کا ساتھ نہیں دیتے وہ زندگی کے قافلے سے بچھڑ جاتے ہیں اور پیچھے رہ جاتے ہیں۔ جو لوگ وقت کو کام میں لاتے ہیں وہ فائدے میں رہتے ہیں۔ وقت کی آواز بڑی نازک آواز ہوتی ہے۔ اس آواز کو سمجھنے والے خوب لطف لیتے ہیں۔ وقت آواز دے رہا ہے کہ

"آؤ، میرے نغموں کی شیرینی تمھارا انتظار کر رہی ہے۔ اگر تمھارے کانوں تک ان نغموں کی موسیقی نہیں پہنچ رہی ہے تو اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ میری آواز اتنی اونچی تو ہوتی ہی ہے کہ سننے والوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مجھے ضائع نہ کرو۔ مجھے اپنی تعمیر میں صرف کرو۔ میرا ہر لمحہ تمھیں بنانے اور بڑھانے کے کام آسکتا ہے، مگر اپنی تعمیر اس طرح کرو کہ تم اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے بھی کام آسکو۔ تمھاری خدمت کا سب سے زیادہ مستحق تمھارا وطن ہے۔ تم اپنی تعمیر جتنے سلیقے سے کرو گے اُتنے ہی زیادہ وطن کے لیے کار آمد ہو گے۔ علم اور اخلاق سے اپنی تعمیر کرو۔ علم تمھیں سنوارے نکھارے گا، تمھاری قدر و قیمت بڑھائے گا اور اخلاق تمھیں اپنے ساتھ دوسرے انسانوں کے لیے بھی مفید بنائے گا، مگر یاد رکھو، تمھاری محنت اور قابلیت کا پھل صرف پیسہ نہیں ہے، وطن کی خدمت، قوم کی دی ہوئی عزّت اور اچھے کاموں کی شہرت زیادہ بڑا اچھا انعام ہے۔"

ہمدرد نونہال وقت کی آواز سننے کی کوشش کرتا ہے اور آپ تک پہنچاتا ہے۔ نئے سال میں داخل ہوتے ہوتے ہم آپ کے ساتھ آگے بڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کچھ تبدیلیاں بھی آپ دیکھیں گے۔ معلومات عامہ کے سوالات کی تعداد بڑھا کر آپ کے لیے گنجائش پیدا کر دی ہے۔ اسکواش کا مزے دار حال بھی آپ کو پسند آئے گا۔ ۶۵ سال کی کہانی سے بھی وقت کی اہمیت آپ کو معلوم ہو گی۔

مستقل پڑھنے والوں کے لیے ایک تحفہ

ھمدرد نونہال کے ہزاروں پڑھنے والے ایسے ہیں جو برسوں سے پابندی کے ساتھ رسالہ خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اُن کے لیے ہر ماہ عُمدہ عُمدہ کہانیوں، معلومات اور تفریحات کا گُلدستہ پیش کرتے ہیں، لیکن اب فیصلہ کیا گیا ہے کہ ہمارے ایسے مُستقل دوستوں کو کوئی تحفہ بھی پیش کیا جائے۔

اس مہینے سے رسالے میں ایک کوپن لگایا جا رہا ہے۔ یہ تعلیمی تحفے کا کوپن ہے اور ہر مہینے لگایا جائے گا۔ اس کوپن کی صفائی سے خانہ پُری کیجیے اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ رکھ لیجیے۔ جب بارہ کوپن ہو جائیں تو آپ احتیاط سے ہمیں بھیج دیجیے۔ ہم آپ کو مندرجہ ذیل مُفید و دل چسپ کتابوں میں سے جو کتاب آپ کو پسند ہوگی وہ بھیج دیں گے:۔

(۱) جاگو جگاؤ، از حکیم محمد سعید (۲) غذائیں دوائیں (۳) چند مشہور طبیب اور سائنس داں (۴) سُنہرے اصول، از حکیم محمد سعید (۵) صحت کی الف بے، از مسعود احمد برکاتی (۶) ننھا سیّاح، از محمد زکریا مائل۔

ان میں سے جو کتاب بھی آپ کو پسند ہو اُس کا نام کوپنوں میں لکھ دیجیے۔ بارہ کوپنوں میں سے ہر کوپن کی خانہ پُری کیجیے تاکہ کوئی دُوسرا اُن سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

اس کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ بارہ کوپن جمع کر کے بھیجنے والے اگر ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی شائع کردہ کتابیں خریدنا چاہیں تو اُن سے ۲۵ فی صد قیمت کم لی جائے۔

کوپن علمی تحفہ

میں ہمدرد نونہال مُستقل پڑھنے اور خریدنے والا/والی ہوں اور بارہ کوپن جمع کر کے بھیج رہا/رہی ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے مندرجہ ذیل کتاب علمی تحفے کے طور پر بھیج دیجیے۔

نام کتاب: ______________________

نام: ____________ عُمر: ______ تعلیم: ____________

پتا: ______________________

____

خیال کے پھول

□ حضور اکرمؐ

ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے۔

مرسلہ: محمد عارف محمد یوسف، کراچی

مومن کی مثال کھیتی کی طرح ہے کہ ہوا اسے اِدھر اُدھر جھکاتی رہتی ہے۔ مومن پر بھی برابر تکلیفیں آتی رہتی ہیں، اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی ہے، جو اِدھر اُدھر ہلتا ہی نہیں، یہاں تک کہ اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ

□ جن سے تم علم سیکھتے ہو اور جن کو تم علم سکھاتے ہو دونوں سے خاکساری برتو یعنی دونوں کی عزت کرو۔

مرسلہ: روحی ابدالی، کراچی

□ حضرت ابوبکر صدیقؓ

علم پیغمبروں کا ورثہ ہے اور مال فرعون کا۔

□ حضرت امام حسینؓ

سب سے فیاض وہ ہیں جو ایسے لوگوں سے اچھا سلوک کریں جن سے نیکی کی امید نہ ہو۔

□ فیثا غورث

بڑے کام کرو، بڑے وعدے نہ کرو۔

□ اقلیدس

خدا کی یاد عظیم ترین شے ہے۔

□ ارسطو

ناامید ہونے سے عمر کم ہوتی ہے۔

□ برنارڈ شا

جو انسان نیک عمل کرتا ہے اپنے ہی لیے کرتا ہے خدا اس سے بے نیاز ہے۔

مرسلہ: فرحت سعید، کراچی

□ گوتم بدھ

محبت انسانیت کا دوسرا نام ہے۔

□ شکسپیئر

محبت آنکھوں سے نہیں، دل سے دیکھتی ہے۔

□ فرینکلن

محنت و مشقت کے بعد تکان بہترین تکیہ ہے۔

□ نامعلوم

محبت قربانی سکھاتی ہے، حساب نہیں۔

مرسلہ: طارق حسین شاہ ہاشمی، ایبٹ آباد

آزادی کی حفاظت نہ کرنے والا غلامی میں گرفتار ہوتا ہے

مرسلہ: ویرسی مل گلشن، بیلہ

□ کنفیوشس

اگر تم ایسی باتیں سنو جو تم کو ناگوار معلوم ہوں تو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ کہیں یہ صحیح تو نہیں ہیں۔

مرسلہ: سید ہدایت علی نقوی، جیکب آباد

ہمدرد ٹرافی

ورلڈ اوپن اسکواش ، پاکستان میں پہلی بار

ہمدرد ٹرافی جیت کر جہانگیر خاں نے ایک اور بلندی کو چھو لیا

اسکواش کے عالمی مقابلے "ورلڈ اوپن ہمدرد ٹرافی" میں فتح حاصل کر کے پاکستان کے جہانگیر خاں نے سابق عالمی چیمپین جیف ہنٹ کا متواتر چار عالمی اعزاز جیتنے کا رِکارڈ برابر کر دیا۔ جہانگیر نے صرف ۴۲ منٹ میں قمر الزماں کو ۰-۹، ۳-۹ اور ۴-۹ سے ہرا دیا۔ فائنل میں جوائنٹ چیفس اوف اسٹاف کمیٹی کے چیرمین جنرل رحیم الدین خاں مہمانِ خصوصی تھے، جنھوں نے کام یاب کھلاڑیوں میں انعامات تقسیم کیے۔

جناب حکیم محمد سعید ورلڈ اوپن اسکواش برائے ہمدرد ٹرافی کا افتتاح کر رہے ہیں۔

اگر کہیں ایک ساتھ کئی ٹورنامنٹ سلسلے وار کھیلے جائیں تو وہ اسپورٹس سرکٹ کہلاتے ہیں۔
پاکستان میں پہلی مرتبہ اسکواش سرکٹ ۸۴ء کھیلا گیا جس کی ابتدا ۲۱۔ نومبر کو پاکستان اوپن اسکواش سے ہوئی۔ اسکواش سرکٹ کا افتتاح گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل جہاں داد خان نے کیا۔
۲۸ نومبر کے بعد پاکستان اسکواش سرکٹ ۸۴ء ہمدرد ٹرافی کے مقابلوں کے آغاز سے نقطۂ عروج پر پہنچا۔ ان مقابلوں کا افتتاح حکیم محمد سعید نے کیا۔
اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ٹورنامنٹ ڈائرکٹر جناب مُحب حسنین نے کہا کہ ایوی ایشن کپ، ہمدرد ٹرافی اور پی آئی اے ماسٹرز ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں، جن میں سے ہمدرد ٹرافی سب سے اہم ٹورنامنٹ ہے، جس کے لیے ہمدرد نے ۲۵ ہزار پونڈ کی بڑی رقم کے علاوہ دوسرے انتظامی اخراجات بھی برداشت کیے ہیں۔
ہمدرد ٹرافی کا افتتاحی میچ قمر زماں اور کینیڈا کے سولہ سالہ نوعمر چیمپین کھلاڑی صابر بٹ کے درمیان کھیلا گیا۔ صابر کے والد پاکستان کے رہنے والے ہیں، مگر بہت عرصے سے کینیڈا میں آباد ہیں۔ ٹورنٹو میں ان کے گھر میں اپنا اسکواش کورٹ ہے۔
کیا آپ کی یہ بدقسمتی نہیں کہ آپ کو آتے ہی قمر سے کھیلنا پڑ گیا؟ ہم نے صابر بٹ سے پوچھا۔
"نہیں میں تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ مجھے ہمدرد ٹرافی کا افتتاحی میچ اور وہ بھی اتنے بڑے کھلاڑی سے کھیلنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ قمر زماں سے کھیل کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسکواش میں کلائی کا استعمال کتنا اہم ہوتا ہے۔" صابر نے بڑے اعتماد سے کہا۔
ہمدرد ٹرافی میں عام طور پر امید تھی کہ ایک طرف سے دنیا کے نمبر ایک کھلاڑی جہانگیر خاں اور دوسری طرف سے اوسٹریلیا سے تعلق رکھنے والے کرس ڈٹمار فائنل میں پہنچیں گے، کیوں کہ ۱۹۷۵ء سے جب سے ورلڈ اوپن اسکواش کے مقابلے شروع ہوئے ہیں۔ اس کا فائنل پاکستان اور اوسٹریلیا کے کھلاڑیوں کے درمیان کھیلا جاتا رہا ہے، مگر پاکستان کے مقصود احمد نے کوارٹر فائنل میں ٹورنامنٹ کے مقبول کھلاڑی کرس ڈٹمار کو غیر متوقع طور پر ہرا کر سنسنی پھیلا دی۔
مگر مقصود احمد اپنی اس شان دار کام یابی کا سلسلہ دراز نہیں کر سکے اور سیمی فائنل میں قمر زماں

جہانگیر خاں اور قمر الزماں، ورلڈ اوپن اسکواش کے فائنل میں۔

سے ۹-۴، ۲-۹، ۵-۹ اور ۳-۹ سے ہار گئے۔ یہ ہمدرد ٹرافی کا سب سے سخت مقابلہ ثابت ہوا جو ۷۳ منٹ تک جاری رہا۔

دوسرا سیمی فائنل جو بیس سالہ جہانگیر خاں اور نیوزی لینڈ کے روز نارمن کے درمیان کھیلا گیا۔ جہانگیر کے دوسرے تمام مقابلوں کی طرح یک طرفہ ثابت ہوا اور جہانگیر ۲-۹، ۱-۹ اور ۱-۹ سے جیت گئے۔ اس طرح جہانگیر اور قمر زماں فائنل میں پہنچے اور ورلڈ اوپن اسکواش کا فائنل پہلی بار پاکستانی کھلاڑیوں کے درمیان کھیلا گیا۔

پیر، ۳ دسمبر ۱۹۸۴ء کا دن تھا جب جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کمیٹی کے چیرمین جنرل رحیم الدین خاں اور جناب حکیم محمد سعید، ایئر مارشل خورشید انور مرزا صدر سندھ اسکواش ریکٹ ایسوسی ایشن کی معیت میں چیمپین شپ کورٹ میں داخل ہوئے۔ ان کی آمد پر زبردست تالیاں بجائی گئیں۔ لگ بھگ تین بجے اسکواش کورٹ کے دروازے بند کر دیے گئے۔ فائنل

دیکھنے والوں سے درخواست کی گئی کہ وہ کھیل کے دوران اپنی جگہ سکون سے بیٹھیں، کھیل کے دوران تالیاں نہ بجائیں۔ جب کوئی کھلاڑی پوائنٹ اسکور کرے تب تالیاں بجائیں۔ فوٹو گرافروں سے کہا گیا کہ وہ کھیل کے دوران فلیش گن نہ چلائیں۔ واقعی اسکواش کا کھیل سارا نظر اور مستعدی کا کھیل ہے، جس میں ذرا سی آہٹ سے کھلاڑیوں کی توجہ ہٹ سکتی ہے۔

جیسے ہی کھیل شروع ہوا آہستہ آہستہ یہ بات کھلتی گئی کہ جہانگیر خان جن کو پچھلے ساڑھے تین سال سے کوئی نہیں ہرا سکا ہے اپنی یہ پوزیشن قائم رکھیں گے۔ بہ ظاہر اسکواش محض توانائی اور برداشت کا کمال لگتا ہے۔ ایک کھلاڑی ریکٹ سے گیند کو سامنے دیوار پر مارتا ہے، گیند واپس آتی ہے تو دوسرا کھلاڑی ہٹ کرتا ہے۔

پہلے کھلاڑی کی کوشش ہوتی ہے کہ گیند اس طرح ہٹ کی جائے کہ واپس آنے پر دوسرے کھلاڑی کے قابو میں نہ آسکے۔ جہانگیر اور قمر نے بھی روایتی مہارت سے فائنل شروع کیا۔ دونوں اتنی دیر تک ہٹنگ کرتے رہتے تھے کہ یوں لگتا تھا جیسے یہ "ریلی" ختم ہی نہیں ہوگی ـــ مگر جہانگیر کی خوبی یہ تھی کہ بیچ میں اچانک ان کی ہٹ کی ہوئی گیند واپس آ کر

جنرل رحیم الدین خاں، جہانگیر خاں اور حکیم محمد سعید۔

"ڈراپ ڈیڈ" ہو جاتی اور قمر کو اسے جواب میں ہٹ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اسی طرح کبھی جہانگیر قمر کو اپنے قریب لاکر، کہیں دُور ہٹ کر دیتے اور قمر بے بس ہو کر رہ جاتے۔ اسی طرح جہانگیر شروع سے آخر تک کھیل پر چھائے رہے انھوں نے قمر کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا اور ثابت کر دیا کہ وہ اسکواش کی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں۔

ہمدرد ٹرافی فائنل کی خصوصیت جہانگیر کے بے داغ کھیل کے علاوہ ہمدرد ٹرافی فائنل کی ایک خصوصیت جنرل رحیم الدین خاں کی خوب صورت تقریر تھی، جنھوں نے پاکستان میں پہلی بار ورلڈ اوپن اسکواش آرگنائز کرنے پر ہمدرد اور ہمدرد کے سربراہ جناب حکیم محمد سعید کو متاثر کُن انداز میں خراج تحسین پیش کیا۔

جنرل رحیم نے کہا کہ اسکواش میں نے بھی کھیلا ہے۔ اتفاق سے آج جو دونوں کھلاڑی کھیل رہے تھے میں دونوں کے باپوں کے ساتھ کھیل چکا ہوں۔ اس زمانے میں جہانگیر اور قمر بچے تھے، اس لیے آج جب میں دونوں کو کھیلتا دیکھتا ہوں تو مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ وہ تمام تنظیمیں قابلِ مبارک باد ہیں جنھوں نے اس ٹورنامنٹ کو

جنرل رحیم الدین خاں، قمر الزماں کو انعامی کپ دے رہے ہیں۔

منظم کرنے میں تعاون کیا۔

انھوں نے کہا کہ میں خاص طور پر حکیم محمد سعید صاحب کا شکریہ ادا کروں گا، کیوں کہ وسائل تو ہمارے یہاں بہت سے لوگوں کے پاس ہیں، مگر ان کو کسی نیک کام کے لیے استعمال کرنا جس سے ہمارے نوجوانوں کو فائدہ پہنچے بڑی بات ہے۔ جنرل رحیم نے مزید کہا کہ حکیم محمد سعید صاحب کی قیادت میں ہمدرد فاؤنڈیشن جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں حصّہ لے رہا ہے وہیں وہ اسکواش کو آگے بڑھانے میں بھی اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

کھلاڑیوں کو اپنی صحت برقرار رکھنے کا مشورہ دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ کھیل کے میدان میں مقابلہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا ہے۔ جب دو کھلاڑی مقابلے پر اُترتے ہیں تو جیت اسی کی ہوتی ہے جو جسمانی طور پر مضبوط اور فِٹ ہو۔ یہ مقصد اسی صورت میں حل ہو سکتا ہے جب کھیل کو عبادت کے طور پر کھیلا جائے۔ تن درست رہنے کی اہمیت یہ ہے کہ میں نے جہانگیر کا ایک میچ دیکھا جس میں ان کے حریف اوسٹریلوی کھلاڑی سے آخری دو گیم میں کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا اور جہانگیر وہ میچ اپنی صحّت کے باعث جیتے۔ انھوں نے کہا کہ اب دوسری قومیں بھی اس کھیل میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہی ہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سخت محنت کریں۔ اسی طرح ہم وہ مقام برقرار رکھ سکتے ہیں جہاں ہم پہنچ چکے ہیں۔ ہمارے نوجوان کھلاڑی یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں یہ کھیل کھیلیں۔

آخر میں جنرل رحیم الدین صاحب نے جہانگیر اور قمر کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ مجھے احساس ہے کہ اس سطح پر کھیلنا کتنا مشکل ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنے کھیل کا معیار برقرار رکھیں گے۔ ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔

اس سے پہلے چیر مین ایئر مارشل خورشید انور مرزا نے تالیوں کی گونج میں بتایا کہ پاکستان اسکواش سرکٹ کے لیے ملک کے تین بڑے اداروں نے مل کر ستر ہزار پونڈ دیے ہیں جس میں سے سب سے بڑی انعامی رقم یعنی ۳۵ ہزار پونڈ (کم و بیش آٹھ لاکھ پچھتر ہزار رُپے) ہمدرد نے دیے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے اخراجات بھی ہمدرد نے برداشت کیے۔ سول ایوی ایشن نے بیس ہزار پونڈ اور پی آئی اے نے پندرہ ہزار پونڈ دیے ہیں۔ انھوں نے اتنی شان دار میزبانی پر ہمدرد کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہمدرد فاؤنڈیشن ۱۹۸۱ء میں

ائیر مارشل خورشید انور مرزا، جناب حکیم محمد سعید، جہانگیر خاں، جنرل رحیم الدین خاں، قمر الزماں اور بریگیڈیئر اعجاز۔

اسکواش کے میدان میں سرگرم ہوا تھا جب اس نے ایشین کپ کے انعقاد میں تعاون کیا۔
اس کے بعد ہمدرد نے پاکستان اوپن اسکواش کی سرپرستی کرنی شروع کی اور ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۳ء کے پاکستان اوپن اسکواش کی میزبانی کی۔ اس کے بعد ہمدرد سے کہا گیا کہ وہ ورلڈ اوپن اسکواش کرائے۔ یہ تجویز ہمدرد نے بہ صد خوشی مان لی۔ اس طرح اسکواش کی ترقی کے سلسلے میں ہمدرد کا بڑا نام ہے اور ہمدرد کی دل چسپی سے اس کھیل کی روز افزوں ترقی میں مدد ملی ہے۔ امید ہے کہ ہمدرد کا تعاون ہمیں اسی طرح حاصل رہے گا۔ انھوں نے حکیم محمد سعید صاحب کا بھی شکریہ ادا کیا۔
ائیر مارشل خورشید انور مرزا نے تالیوں کی گونج میں یہ بھی بتایا کہ ہمدرد کے آئندہ کے منصوبوں میں ملک میں ایک اسکواش کمپلیکس تعمیر کرنے کی تجویز بھی شامل ہے۔

اس موقع پر ایسپا کے ایگزیکٹو ڈائرکٹر راجر ایڈی، گریگ پولارڈ اور اسپورٹس کے صحافی رچرڈ ایڈن کو بھی انعامات دیے گئے۔ کافی دیر تک اسکواش کورٹ میں ان گنت فوٹو گرافروں کی فلیش گنیں چمکتی رہیں، جو مہمانوں کی تصویریں اُتار رہے تھے۔ روشنیوں اور کھلاڑیوں کے روشن چہروں کے سیلاب میں ہمدرد ٹرافی کے خوب صورت مقابلے اختتام کو پہنچے۔

اُردو

فیض لودھیانوی

قوم کی آن بان ہے اردو / اپنی قومی زبان ہے اردو
دوسری بولیاں ہیں صوبوں کی / دیس کی ترجمان ہے اردو
جس میں کھلتے ہیں رنگ رنگ کے پھول / وہ عجب گلستان ہے اردو
عربی ہو کہ فارسی، تُرکی / سب زبانوں کی جان ہے اردو
ہندی بھاشا ہو یا کہ سنسکرت / ان کا دل بے گمان ہے اردو
اس کو انگلش نے بھی نوازا ہے / ہر طرح کامران ہے اردو
اچھے الفاظ چُن کے لیتی ہے / حُسن کی قدر دان ہے اردو
شوق سے خاص و عام پڑھتے ہیں / زندگی کا بیان ہے اردو
مغلیہ دَور کے امیروں کی / رس بھری داستان ہے اردو
غیر مسلم بھی دوست ہیں اس کے / دوستی کا نشان ہے اردو
میر و غالب نے اس کو چمکایا / موتیوں کی دُکان ہے اردو
درد و مومن کو فخر ہے اس پر / ذوق و حالی کا مان ہے اردو
داغ و چکبست، آتش و ناسخ / شاعروں کا جہان ہے اردو
چاند سورج ہیں اکبر و اقبال / عِلم کا آسمان ہے اردو
جو ہیں انمول عِلمی دنیا میں / اُن جَواہر کی کان ہے اردو
اس پہ نازاں ہیں لکھنؤ والے / اہلِ دہلی کی شان ہے اردو
سیکڑوں مشکلوں سے گزری ہے / پھر بھی ہر دم جوان ہے اردو
یہ دعا ہے کہ تُو پھلے پھولے / خوب تیری اٹھان ہے اردو

کتنے عمدہ خیال بخشے ہیں
فیض پر مہرباں ہے اردو

لال شہزادہ

آصفہ مجیب

ایک بادشاہ تھا۔ اللہ میاں نے اس کو سات بیٹے دیے تھے۔ چھوٹے بیٹے کو وہ سب سے زیادہ چاہتا تھا۔ پیار سے اسے لال شہزادہ کہتا تھا۔ لال شہزادہ تھا بھی بڑا ہونہار۔ عادتیں بہت اچھی تھیں۔ سب کا کہنا مانتا، سب کی عزت کرتا۔ اسی وجہ سے سب کی آنکھوں کا تارا تھا۔ سب کو دل سے عزیز تھا۔

جب بیٹے بڑے ہوئے، بادشاہ سلامت نے سب کی شادیاں ٹھہرائیں۔ خوب تیاریاں ہونے لگیں۔ خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ آخر برات کا دن آیا۔ سب شہزادوں کو دولھا بنایا گیا۔ سب ہی اچھے لگ رہے تھے، مگر لال شہزادہ تو بہت ہی پیارا لگ رہا تھا۔ ماں باپ صدقے ہو رہے تھے اور سب بلائیں لے رہے تھے۔

پر اچانک ایک عجیب اتفاق ہوا۔ اِدھر سے پریوں کا تخت گزر رہا تھا۔ انھوں نے جو اتنا سُندر سماں دیکھا تو نیچے اُتر آئیں اور لال شہزادے کو تخت پر بٹھا کر اُڑا لے گئیں۔ سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ ایک کہرام مچ گیا۔ ماں باپ پچھاڑیں کھانے لگے۔

سب سوچ میں تھے کہ شہزادہ کیسے ملے۔ بغیر دولھا کے برات کیسے جائے اور پھر دوسری سلطنت والوں کو، سسرال والوں کو کیا جواب دیں۔ بادشاہ کا وزیر بڑا سمجھ دار تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ برات جائے گی۔ دلھن والوں سے کہا جائے گا کہ دولھا اتفاق سے بیمار ہو گیا ہے۔ ہم ساتھ نہیں لا سکتے۔ دلھن کو رخصت کر دیں۔

سب شہزادے اپنی اپنی دلھن لے آئے۔ چھوٹی دلھن کو دوسرے لوگ لے آئے۔ جب وہ محل میں اُتری دیر تک انتظار کرتی رہی کہ کہیں تو اس کا بیمار دولھا نظر آئے۔ مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ کوئی کہتا، "اسے دیو لے گئے۔" کوئی کہتا، "اسے پریاں لے گئیں۔" دلھن سُن سُن کر پریشان ہوتی۔

ایک دن کیا ہوا کہ ایک فقیر آیا۔ اس نے پوچھا، "بیٹی، تم اتنی پریشان کیوں ہو؟"

شہزادی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے بولی، "میرا شہزادہ غائب ہے، قسمت پھوٹ گئی۔ اب یہ آس لگائے جی رہی ہوں کہ وہ آجائے۔"

فقیر کو بڑا ترس آیا۔ کہا، "چل بیٹی، تُو میرے ساتھ چل۔ میں کوشش کروں گا کہ تیرا شہزادہ تجھے مل جائے۔"

دلھن شہزادی فوراً تیار ہو گئی اور فقیر بابا کے ساتھ چل پڑی۔

چلتے چلتے بہت دن بیت گئے۔ جنگل بیابان، پہاڑ، ندی، دریا پار کیے۔ ایک دن ایک بہت گھنے جنگل سے دونوں گزر رہے تھے کہ عجیب عجیب ڈراؤنی آوازیں کانوں میں آنے لگیں۔ فقیر نے کہا، "بیٹی، خبردار، پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا ورنہ پتھر بن جاؤ گی۔"

آخر تھوڑی دُور چل کر ایک عالی شان سنہرا محل نظر آیا۔ فقیر نے شہزادی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، "آنکھیں بند کر لو۔" شہزادی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ اُڑ رہی ہے۔ جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ایک نہایت حسین شہزادہ کرسی پر بیٹھا اسے دیکھ رہا ہے۔ فقیر نے شہزادے سے کہا،

"لے بچّہ سنبھال اپنی امانت!" یہ کہہ کر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ شہزادہ اپنی دلھن کو دیکھ

کر بڑا خوش ہوا۔ اسے آرام سے بٹھایا، لیکن فوراً پریشان سا معلوم ہونے لگا۔
شہزادی نے پوچھا، "کیا بات ہے، آپ اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ کیسی مبارک گھڑی ہے کہ ہم ملے ہیں۔"
شہزادہ بولا، "ہاں شہزادی تم نے بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ آج خدا نے ہمیں ملایا ہے۔ ہزار ہزار شکر ہے۔ مگر مجھے یہ ڈر لگ رہا ہے کہ ابھی پری آئے گی اور تمھیں مار ڈالے گی۔ یہی سوچ رہا ہوں کہ تمھیں اس ظالم سے کیسے بچاؤں؟" پھر خوش ہو کر کہا، "ہاں ابھی مجھے فقیر کی بات یاد آ گئی۔ جب پری کے آنے کا وقت آئے گا میں تمھیں بتا دوں گا۔ تم بس اس درخت پر بیٹھ جانا۔ اس کی یہ تاثیر ہے کہ کوئی انسان اس پر بیٹھ جائے تو چڑیا بن جاتا ہے۔ اسے جب آدمی بنانا چاہیں تو درخت کا پھول توڑ کر چڑیا کی ناک میں لگا دیں۔ وہ پھر آدمی ہو جاتا ہے۔"
شہزادی خوشی سے بولی، "اچھا تب میں تو اطمینان سے تمھارے پاس رہ سکوں گی۔"
اور یوں اطمینان سے دونوں رہنے لگے۔ مگر کچھ دن اس طرح رہتے رہتے شہزادی کا دل گھبرانے لگا۔ ایک دن اس نے کہا، "آخر شہزادے، ہم لوگ کب تک ایسے رہیں گے۔ اب تم اپنی سلطنت واپس چلو۔ تمھارے لیے سب تڑپ رہے ہیں۔"
شہزادے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حسرت سے بولا، "میں آزاد ہوتا تو کب کا اپنے پیارے وطن اور ماں باپ کے پاس پہنچ چکا ہوتا۔ مصیبت تو یہی ہے کہ پری نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے۔ کہیں جانے کی اجازت نہیں دیتی۔ بس ایک ترکیب ہے، اگر تم کر سکو۔ تم میری سلطنت میں واپس جاؤ اور ابا جان سے کہو کہ وہاں خوب اچھا سا جشن کریں۔ اس میں سب پریوں کو بُلائیں۔ جب یہ سب اکٹھی ہوں تو بڑی بھابی اپنے بچّے کے چٹکی لے لیں۔ وہ رونے لگے گا۔ پریاں پوچھیں گی کہ یہ کیا ہوا تو کہیں کہ لال پری یہ ہار جو پہنے ہے یہی مانگ رہا ہے۔ تم بھی بچّے کو سکھا دینا کہ ہار کے لیے مچل جائے۔ ہار میں ہیرے، موتی اور لعل جڑے ہیں، اس میں پری کی جان ہے۔ پری جب وہ ہار بچّے کو دے گی میں تمھارے پاس آ جاؤں گا۔"
شہزادی یہ سُن کر بہت خوش ہوئی اور تن تنہا اتنے بڑے سفر کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔ راستے میں اس نے بہت دُکھ اور مصیبتیں جھیلیں اور محل پہنچ کر سب کو شہزادے کے ملنے کی خوش خبری سنائی۔ ہر طرف خوشی چھا گئی۔ شہزادے کی سلامتی اور جلد واپسی کی دُعائیں مانگی جانے لگیں۔ جشن

کی تیاریاں بڑے زوروں میں شروع ہوئیں۔ پریوں کو دعوت نامے بھیجے گئے۔

اللہ اللہ! کیا شان دار جشن تھا۔ چپّے چپّے پر بہار تھی۔ خوب محل سجایا گیا تھا۔ پریوں کا جمگھٹ تھا۔ خوشی کے ترانے گونج رہے تھے۔ پھر شہزادے نے جیسا بتایا تھا ویسا ہی کیا گیا۔ بچّہ ہار کے لیے مچل گیا۔ روتے روتے ہلکان ہو گیا۔ دوسری پریوں نے لال پری سے کہا "ارے بہن دے دو نا۔ ہار کی کیا حقیقت ہے۔ بچّہ ہلکان ہوا جا رہا ہے!"

پری نے غصّے سے ہار اُتار کر بچّے کے سامنے ڈال دیا اور فوراً اُڑ گئی کہ شہزادے کو جا کر پکڑے اور آنے نہ دے، مگر شہزادہ اس سے پہلے محل میں آکر چھپ گیا۔ کب کے بچھڑے ماں باپ بھائی ملے۔ مارے خوشی کے سب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ سب ہی خوش تھے اور خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔

بچّوں کی کتابیں

یہ کتابیں ختم ہوگئی تھیں۔ اب اِن کے نئے ایڈیشن شائع کیے جا رہے ہیں۔ جلد ہی یہ کتابیں آپ خرید سکیں گے۔

جاگو جگاؤ ـــــ از حکیم محمد سعید

جوہرِ قابل ـــــ از مسعود احمد برکاتی

البیرونی کہانی اور کارنامے ـ از خاطر غزنوی

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس

ہمدرد سنٹر، ناظم آباد ۳، کراچی ۱۸

تحفے

مسکراتے جملے ــــ عظیم اقوال ــــ انوکھے نکتے ــــ دِل چسپ تحریریں

میری مثال

مرسلہ: سید حسین شہید سہروردی، ڈیرہ اسماعیل خان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری مثال اس شخص کی ہے، جس نے آگ جلائی، جب سارا ماحول روشن ہوگیا تو کیڑے اور آگ میں گرنے والے جانور (پتنگے) گرنے لگے۔ وہ شخص انھیں روکنے لگا، مگر وہ نہیں رُکے اور اس میں گرتے رہے۔ وہی مثال میری اور تمھاری ہے۔ میں تمھاری کمر پکڑ کر تمھیں آگ سے بچاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ آگ کے پاس سے چلے آؤ اور تم نہیں مانتے، اسی میں گھسے جاتے ہو۔

صحت کی علامت

مرسلہ: طاہر علی، کراچی

صحت کی علامات عموماً یہ بتائی جاتی ہیں: خوراک ہضم ہونا، کبھی بیمار نہ پڑنا، خوش رہنا، کام میں دل لگنا، مگر اہم ترین علامت ہے، میٹھی نیند آنا۔

ــــ ڈاکٹر کوودے، امریکا

نرمی

مرسلہ: سعدیہ منصور، کراچی

ایک مرتبہ آنکھوں نے زبان سے پوچھا کہ تجھ کو ہر طرف سے دشمن گھیرے ہوئے ہیں اور دانتوں کی چھری ہر وقت تجھ پر تیز رہتی ہے، تُو اپنے بچاؤ کی کیا تدبیر کرتی ہے؟

زبان نے کہا، "نرمی۔"

ــــ ڈپٹی نذیر احمد

اپنی مدد آپ

مرسلہ: کراچی کی ایک بچّی جو اپنا نام لکھنا بھول گئی

یہ ایک عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرے میں انسانوں کا، قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں "اپنی مدد آپ" کرنے کا شوق اس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے اور جب کہ یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے تو وہ قومی ترقی، قومی طاقت اور قومی مضبوطی کی جڑ ہے۔ جب کسی شخص کے لیے کوئی دوسرا کوئی کچھ کرتا ہے تو اس شخص میں سے یا اس گروہ میں سے وہ جوش جو "اپنی مدد آپ" کرنے کا کم ہو جاتا ہے اور ضرورت "اپنی مدد آپ" کرنے کی اس کے دل سے مِٹ جاتی ہے اور اس کے ساتھ غیرت جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے اور اس کے ساتھ عزّت جو انسان کی اصلی چمک دمک ہے از خود جاتی رہتی ہے اور جب کہ ایک قوم کا یہ حال ہے تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزّت ہو جاتی ہے۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا
—— سر سید احمد خان

تنخواہ

مرسلہ: عائشہ محبوب، کراچی

مذہب نے پکارا اے اکبر، اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔
یاروں نے کہا، یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔
—— اکبر الہ آبادی

ایک لاکھ رُپے کا غبارہ

مرسلہ: آزاد اقبال، کراچی

ایک بزرگ نے ایک معصوم بچّے سے پوچھا کہ اگر میں تمھیں ایک لاکھ رُپے دوں تو تم اس سے کیا خریدو گے؟

بچّے نے فوراً جواب دیا، "ایک غبارہ۔"

چند اقوال

مرسلہ: سید ہدایت علی نقوی، جیکب آباد

- کام یابی کی تین منازل ہیں۔ پہلی علم، دوسری سوچ بچار، تیسری عمل۔ (حضرت علیؓ)
- جس نے اپنا رتبہ جان لیا، وہ ہلاکت سے بچ گیا۔ (حضرت علیؓ)
- جب میرے مستحکم ارادے بھی ٹوٹتے ہوئے محسوس ہوتے تو مجھ کو احساس ہوا کہ مجھ سے بھی بڑا کوئی ہے۔ (ایک فاتح)
- باز کے پیچھے اُڑنے والی چڑیا یہ سمجھتی ہے کہ باز اس سے ڈر کر بھاگ رہا ہے۔ (چینی کہاوت)
- غریب میرے لیے بہترین مریض ہیں جن کی فیس خدا ادا کرتا ہے۔ (ایک طبیب)
- انسان اگر فطری انداز میں زندگی گزارے تو میں دعوا کرتا ہوں کہ وہ کبھی بیمار نہیں ہو سکتا۔ (ایک طبیب)

امن کی ضرورت

مرسلہ: محمد اقبال احمد انصاری، کراچی

"جب سے یہ دنیا قائم ہوئی ہے انسان مشکلات اور مصائب سے دوچار رہا ہے۔ ماضی میں مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے درمیان جو تصادم ہوتے ان کے نتیجے میں نسلِ انسانی نیست و نابود نہیں ہوئی، کیوں کہ خوش قسمتی سے بڑے پیمانے پر تباہی کے ذرائع محدود تھے۔ آج ہم ایسے دور میں داخل ہو چکے ہیں جس میں انسانیت کے ہاتھ ایسے مہلک ہتھیار آگئے ہیں جن سے پوری انسانیت کو کئی بار صفحۂ ہستی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ اب دنیا تصادم اور جنگ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ انسانیت کو امن کی ضرورت ہے۔"

(اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے جنرل محمد ضیاء الحق کا خطاب) (تقریر کا ایک ٹکڑا)

چراغ اور ہوا

مرسلہ: اسد اقبال شیخ، حیدر آباد

انیس دَم کا ٹھکانا نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے
—— میر انیس

زبان بے زبانی

مرسلہ: محمد غلام حسین میمن، حیدر آباد

فیثا غورس انسانوں اور حیوانوں میں فرق کے بارے میں شاگردوں کو سمجھا رہا تھا:

"حیوانوں پر مصائب اُن کی بے زبانی کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ دکھ درد کا اظہار نہیں کر سکتے۔ انسانوں پر ان کی زبان مصائب و آلام لے کر آتی ہے، کیوں کہ وہ زبان کا غلط استعمال کر بیٹھتے ہیں۔

امیر کی غریب کہانی

مرسلہ: عروج فاطمہ، لطیف آباد

ایک بہت امیر آدمی کی بیٹی کو اس کی استانی نے ایک غریب خاندان کے بارے میں کہانی لکھنے کے لیے کہا۔ لڑکی اگلے روز کہانی لکھ کر لائی جو کچھ یوں تھی:

"بہت عرصہ گزرا کسی شہر میں ایک غریب خاندان رہتا تھا۔ ماں بے چاری غریب تھی۔ باپ بھی غریب تھا۔ ان کے بچّے بھی غریب تھے۔ ان کے باورچی، خانساماں وغیرہ بھی غریب تھے۔ اور تو اور ان کا ٹیکسی ڈرائیور اور مالی، غرض ان کے ارد گرد جتنے بھی لوگ تھے، سب کے سب غریب تھے اور......"

حُسن

مرسلہ: شمع نورین، کراچی

حُسن ضرورت نہیں ایک کیف ہے۔ وہ نہ پیاس سے بھڑکتا ہوا ہونٹ ہے اور نہ پھیلا ہوا خالی ہاتھ، بلکہ ایک دل ہے، سُلگتا ہوا، ایک روح ہے شیفتہ و فریفتہ۔ نہ کوئی ایسا گیت ہے جسے تم سُن سکو۔ حُسن تو ایک صورت ہے، جسے تم اپنی آنکھیں بند کر کے بھی دیکھ سکتے ہو۔ وہ تو ایسا گیت ہے جسے کان بند کر کے صاف سُنا جا سکتا ہے۔ حُسن شگاف زدہ چھال نہیں ہے اور نہ کسی پنجے میں الجھا ہوا پَر ہے۔ حُسن زندگی ہے اور زندگی بھی ایسی ہے جو اپنے نورانی چہرے سے نقاب اُٹھا دے۔ حُسن ابدیت کا نام ہے جو اپنا عکس آئینے میں دیکھتا ہے۔ (جبران خلیل جبران)

اپنا گم بیان

مرسلہ: ثروت اقبال، کراچی

یہاں پر اس وقت میں اپنے ایک واقف کار کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جو چند ہفتے قبل لندن میں میرے ساتھ ایک ہوٹل کے کھانے کے کمرے میں میز پر موجود تھے کہ ان کے کسی جاننے والے کا ٹیلی فون استقبالیہ پر آیا۔ جب استقبالیہ کے ملازم نے ان کو آکر فون کا پیغام دیا تو انھوں نے اس لڑکے سے کہا کہ فون کرنے والے سے کہہ دے کہ صاحب موصوف اِس وقت ہوٹل میں موجود نہیں ہیں۔ ہوٹل میں کام کرنے والا وہ لڑکا جو کہ انگریز تھا اُن کی یہ بات سُن کر حیران رہ گیا اور بڑے ادب سے صاحب موصوف سے کہنے لگا کہ جناب، آپ تو اس وقت کھانے کی میز پر بہ نفسِ نفیس موجود ہیں۔ پھر آپ مجھ سے جھوٹ کیوں

بلوانا چاہتے ہیں، معاف کیجیے صاحب، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مجبوراً میرے ان پاکستانی واقف کار نے استقبالیہ پر جا کر اپنا فون سُنا اور اس وقت جو خفت اس انگریز لڑکے کا جواب سُن کر ان کے چہرے سے عیاں تھی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ اسی طرح کے ہزاروں واقعات ہمارے معاشرے میں ہر روز دیکھنے میں آتے ہیں اور دکھ کی بات تو یہ ہے کہ ہم ایسے واقعات کو اپنے ہاں معمولی واقعات سمجھتے ہوئے سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ سچ بولنا دراصل اسلامی روایت ہے۔ ہمارے پیغمبر حضرت محمدؐ نے ہمیشہ سچ بولنے پر زور دیا، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہم نے اسلام کے اس زرین اصول کو چھوڑ رکھا ہے اور مغربی ممالک نے اپنا لیا ہے۔ دوسرے معنوں میں یہ مغربی اقوام تو اسلام کی پیروی کرتی ہیں اور ہم جو اسلام کے ٹھیکے دار بنے پھرتے ہیں جھوٹ پر انحصار کرتے ہیں۔ یہ یقیناً لمحۂ فکریہ ہے اور ہمیں اپنے گریبان میں منھ ڈال کر سوچنا چاہیے کہ ہم اس وقت کہاں کھڑے ہیں۔ ——— ریٹائرڈ جسٹس شوکت علی

دل

مرسلہ: طارق محمود جیٹھو، بہاول پور

- دل ضمیر کی خواب گاہ ہے۔
- دل سازشوں اور شرارتوں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔
- دل خواہشات کا بینک ہے۔
- دل مسرتوں کا گہوارہ ہے۔
- دل غموں کا سمندر ہے۔
- دل امنگوں کا بجلی گھر ہے۔
- دل تمناؤں کا قبرستان ہے۔
- دل خودی کا دولت خانہ ہے۔

دو دیہاتی لطیفے

مرسلہ: صالحہ برکاتی، کراچی

گاؤں کے ایک سیدھے سادے بزرگ شہر میں اپنے ایک کھاتے پیتے عزیز سے ملنے آئے۔ شام کے کھانے کے بعد جب عزیز نے اُن کی خدمت میں خلال (ٹوتھ پک) پیش کیا تو وہ بولے، "جی نہیں، بہت بہت شکریہ، میں نے دوپہر بھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے اور پھر جو خلال آپ نے دوپہر کے کھانے کے بعد عنایت فرمایا تھا وہ حلق میں اب تک اٹکا ہوا ہے۔"

اسی طرح کا ایک اور لطیفہ بھی مشہور ہے کہ گاؤں کا ایک مہمان جب کھانا کھا چکا تو ملازم لوٹا اور سلفچی اٹھاتے ہاتھ دھلانے آگیا۔ مہمان نے ہاتھ دھونے کے لیے آستینیں چڑھائیں تو میزبان نے ایک اور ملازم سے کہا، "جلو بھاگ کر تولیہ لے آؤ۔" اور مہمان بولا:

"اسے روک لیجیے، میرے پیٹ میں ایک بھی نوالے کی گنجائش نہیں ہے اور آپ پورا تولیہ منگوا رہے ہیں۔"

——— احمد ندیم قاسمی

ایک شعر

مرسلہ: شگفتہ ربانی، کراچی

آدمی کو چاہیے دنیا میں رہنا اس طرح
جس طرح تالاب کے پانی میں رہتا ہے کنول

٦٥ سال کی کہانی

شہزاد منظر

بچّوں کے مقبول ماہ نامہ "ہمدرد نونہال" کے صدر، ملک کے مشہور و معروف ملّی ادارے "ہمدرد" (پاکستان) کے بانی، ہمدرد فاؤنڈیشن کے صدر اور دنیائے طِب کی عظیم شخصیت جناب حکیم محمد سعید ٦٥ سال کے ہو گئے۔ ہمدرد نونہال اور پاکستان کے لاکھوں نونہالوں کی طرف سے حکیم محمد سعید صاحب کو ان کی ٦٥ ویں سال گرہ مبارک۔

جناب حکیم محمد سعید صاحب پاکستانی بچّوں کی انتہائی محبوب شخصیت ہیں۔ ان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ملک کے دور دراز علاقوں اور غیر ملکوں سے بچّے انھیں ہر ماہ سیکڑوں خطوط لکھتے ہیں اور ہر بچّے کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی محبوب شخصیت ان کے خطوط کا خود جواب دیں۔ حکیم صاحب بچّوں کو بہت عزیز رکھتے ہیں اور ان سے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ چناں چہ بچّے ان سے ملنے کے لیے کبھی کبھی انفرادی طور پر اور کبھی ٹولیوں میں آتے ہیں اور حکیم صاحب سے مل کر اور ان سے گفت گو کر کے بہت خوش ہوتے ہیں اور اپنے معصوم ذہن میں گہرا تاثر لے کر جاتے ہیں۔

دنیائے طب کی یہ عظیم المرتبت شخصیت ۹۔ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئی۔ آپ کے والد ماجد محترم حکیم حافظ عبدالمجید مرحوم کو تحریکِ آزادی کے مشہور رہنما اور طبیب حاذق مسیح الملک

حکیم اجمل خاں مرحوم کے طِب مشرق کی ترقی کے مشن سے دل چسپی پیدا ہوئی اور انھوں نے ۱۹۰۶ء میں دیسی دواسازی کے ادارے "ہمدرد" کی بنیاد ڈالی۔ اس ادارے کو ایک بلند معیار دواخانہ بنانے کے لیے دن رات محنت کی۔ ان کے بعد حکیم محمد سعید صاحب اور آپ کے بڑے بھائی محترم حکیم عبدالحمید صاحب کی کوششوں سے اس ادارے نے بڑی ترقی کی۔

آپ کا گھریلو ماحول خالص دینی تھا۔ اس لیے آپ کو بچپن میں سب سے پہلے دینی تعلیم دی گئی۔ آپ نے چھے ساڑھے چھے سال کی عمر میں قرآن کریم ختم کر لیا اور وہ تقریباً نو سال کی عمر میں ہی حافظِ قرآن بن گئے۔ وہ جب تیرہ سال کے ہوئے تو اس وقت تک وہ عربی اور فارسی سے خاصے واقف ہو چکے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کو تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیل کود سے بھی بڑی دل چسپی تھی۔ دراصل کھیل اور تعلیم دونوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت ہوتی ہے۔ اچھی اور اعلا تعلیم کے لیے صحت مند جسم اور دماغ کی ضرورت ہوتی ہے اور صحت مند جسم اور دماغ ورزش اور کھیل کود سے ہی پروان چڑھتا ہے۔ چناں چہ انھوں نے گُلّی ڈنڈا، فُٹ بال، بیڈمنٹن، کیرم، تاش، کشتی رانی، شطرنج، مرغ بازی، پتنگ بازی، کبوتر بازی، گھُڑ سواری سے لے کر کُشتی تک ہر قسم کے کھیل میں حصّہ لیا، لیکن ساتھ ہی ساتھ تعلیم بھی جاری رکھی۔

حکیم صاحب بہت کم عمری یعنی ۱۹۳۶ء میں مسیح الملک حکیم اجمل خان کے قائم کردہ آیورویدک اور یونانی طبیہ کالج دہلی میں داخل ہوئے۔ داخلے کے وقت اُن کی عمر اتنی کم تھی کہ انھیں بہ مشکل داخلہ ملا۔ وہ ۱۹۳۹ء میں طِب کا اعلا امتحان پاس کر کے فارغ ہوئے تو ان کے بڑے بھائی حکیم حاجی عبدالحمید صاحب نے انھیں ہمدرد کی ذمے داریاں سونپنی شروع کر دیں۔ اِسی دَور میں انھوں نے مطب کا بھی آغاز کیا اور انھوں نے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک ہمدرد کی ترقی اور کاروبار میں اضافہ کرنے میں بھرپور حصّہ لیا اور دونوں بھائی ہمدرد کو مل کر بہت بلندیوں پر لے گئے۔

حکیم صاحب ۱۹۴۸ء میں ہندُستان سے ترکِ وطن کر کے پاکستان آگئے اور انتہائی بے سرو سامانی کے عالم میں کراچی میں "ہمدرد" کی از سرِ نو بنیاد ڈالی اور اسے عروج تک پہنچایا۔ ۱۹۵۳ء میں انھوں نے ہمدرد کو قومی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دیا، جس کا مقصد طبِ مشرق کے بارے میں سائنسی تحقیقات اور طبی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔ ۱۹۶۴ء میں ہمدرد فاؤنڈیشن قائم کیا، تاکہ ہمدرد وقف کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے دینی، رفاہی، تعلیمی اور علمی خدمات انجام دی جائیں۔

ہمدرد نونہال، جنوری ۱۹۸۵ء

گزشتہ سال ربیع الاول کے موقع پر شہر ثقافت مدینۃ الحکمت کے عظیم الشان منصوبے کا سنگِ بنیاد رکھا، جس میں اسلامی یونی ورسٹی کا قیام بھی شامل ہے۔

حکیم صاحب کو علمی اور سائنسی موضوعات سے بھی گہری دل چسپی ہے۔ انھوں نے ابھی تک انگریزی اور اردو میں ۴۴ سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں اور وہ اردو اور انگریزی کے آٹھ رسالوں کے مدیر اعلا ہیں۔ پاکستان اور ہندستان میں ماہ نامہ "ہمدرد صحت" طب کے موضوع پر منفرد رسالہ ہے۔ یہ ماہ نامہ ۱۹۳۲ء سے شائع ہو رہا ہے۔ ۱۹۳۹ء سے یہ رسالہ جناب حکیم محمد سعید صاحب کی ادارت میں باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ آپ کے پاکستان آنے کے بعد ۱۹۴۸ء میں کراچی سے دوبارہ جاری ہوا اور یہ آج تک جاری ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب نے بچّوں کے محبوب رسالے "ہمدرد نونہال کو" ۱۹۵۳ء میں نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے جاری کیا۔

جناب حکیم محمد سعید صاحب بڑے بااصول، وقت کے پابند اور مثالی حد تک محنتی اور ثابت قدم انسان ہیں۔ ان کو پاکستان اور بیرونِ پاکستان جو شہرت، عزّت اور مقبولیت حاصل ہے وہ کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ان کی مسلسل محنت کا ثمر ہے۔ ان کی ۶۵ سالہ زندگی مسلسل جدوجہد اور محنت سے عبارت ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب نے یہ مقام اپنی دن رات کی محنت، ذہانت اور لگن سے حاصل کیا ہے۔ ان کی زندگی کی کہانی عزم اور اپنے مقصدِ حیات سے لگن کی کہانی ہے۔ حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ اعلا مقاصد اور بے پناہ لگن ہی انسان کی زندگی کو کام یاب بناتی ہے۔ وہ روزانہ ۱۷-۱۸ گھنٹے کام کرتے ہیں اور بہت کم آرام کرتے ہیں۔ وہ وقت کی پابندی پر عمل کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک معالج کی حیثیت سے وہ باقاعدگی سے مطب کرتے ہیں اور کراچی کے علاوہ لاہور، راول پنڈی اور پشاور میں بھی ہر مہینے کچھ دن مطب اور شامِ ہمدرد کرتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کی علاحدگی سے پہلے وہ ڈھاکہ بھی مطب کرنے کے لیے جاتے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق انھوں نے آج تک ۲۵ لاکھ مریضوں کا علاج کیا ہے۔

اتنی زبردست مصروفیات کے باوجود وہ سماجی، ثقافتی اور مذہبی تقریبوں میں بھی شرکت کرتے ہیں اور کراچی، لاہور، اسلام آباد اور پشاور میں منعقد ہونے والی شامِ ہمدرد کی تقریبات میں بھی تقریریں کرتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں وہ غیر ملکوں میں ہونے والی بڑی بڑی بین الاقوامی علمی کانفرنسوں میں بھی شریک ہوتے ہیں اور وہاں کی جامعات اور علمی اور فنی اداروں میں لیکچر دیتے

ہیں۔ انھیں سیر و سیاحت سے بھی بڑی دل چسپی ہے۔ انھوں نے ابھی تک جن ملکوں کی سیاحت کی ہے، اُن میں چین، جاپان، ایران، عراق، شام، روس، انڈونیشیا، ملائشیا، ہانگ کانگ، سنگاپور، شمالی کوریا، تھائی لینڈ، برما، فن لینڈ، فلپائن، انگلستان، فرانس، ترکی، اسپین، اٹلی، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، جرمنی، اوسٹریا، بلجیم، مصر، سعودی عرب، دوبئی، راس الخیمہ، شارجہ، ابوظبی، کویت، اردن، عمان، لبنان کے علاوہ اوسٹریلیا، ریاست ہائے متحدہ امریکا اور کینیڈا شامل ہیں۔ حکیم صاحب نے ان میں سے کئی ملکوں کی سیاحت کے بارے میں بہت ہی دل چسپ سفرنامے بھی لکھے ہیں۔

سب سے قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ وہ پاکستان میں رہتے ہوئے اور سفر کے دوران بھی مسلسل پڑھتے لکھتے رہتے ہیں اور کام کرتے ہوئے کبھی نہیں تھکتے۔ آج جب کہ وہ ۶۵ سال کے ہو چکے ہیں ہم "ہمدرد نونہال" کے پڑھنے والے لاکھوں نونہالوں کے ساتھ مل کر رب العالمین سے اُن کی درازیٔ عمر کے لیے دعا مانگتے ہیں: اللہ انھیں مزید عمر، صحت، کام یابی اور مسرت عطا فرمائے۔

قیمت میں اضافہ

آپ کو معلوم ہے کہ ہمدرد نونہال بچّوں کا سب سے مقبول رسالہ ہونے کے علاوہ سب سے کم قیمت رسالہ بھی ہے اور اس کی قیمت اس لیے کم رکھی گئی ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ بچّوں تک پہنچ سکے اور وہ اس سے لُطف اور فائدہ حاصل کر سکیں، لیکن آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے، ہر چیز کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں، اس لیے ہمدرد نونہال کی قیمت میں ہمیں مجبوراً اضافہ کرنا پڑ رہا ہے۔ جنوری ۱۹۸۵ء سے ہمدرد نونہال کے ایک شمارے کی قیمت چار رُپے ہو گی۔ سالانہ قیمت پینتالیس (۴۵) رُپے ہو گی۔ جو لوگ رجسٹری سے رسالہ منگوانا چاہتے ہیں اُن کو تین رُپے ماہانہ کے حساب سے مزید ۳۶ رُپے بھجوانے ہوں گے، یعنی سال کے لیے اُن کو کُل اکیاسی (۸۱) رُپے ادا کرنے ہوں گے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ یہ اضافہ ہم چار سال کے بعد کر رہے ہیں، اس عرصے میں بعض دوسرے رسالوں کی قیمتیں ایک سے زیادہ مرتبہ بڑھ چکی ہیں، اس لیے ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے قارئین اس اضافے کو خوشی سے قبول کر کے رسالے کو اور زیادہ اچھا بنانے میں مدد کریں گے۔

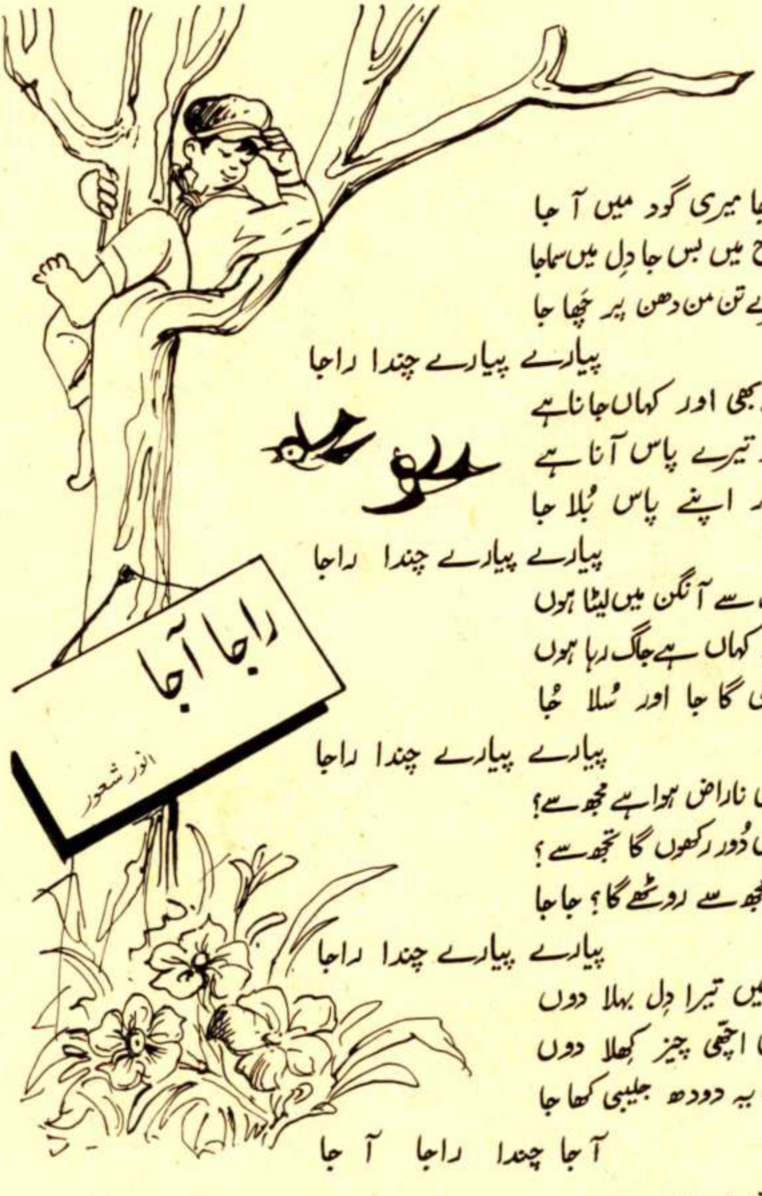

آجا میری گود میں آجا
روح میں بس جا دِل میں سما جا
میرے تن من دھن پر چھا جا
پیارے پیارے چندا راجا

مجھے بھی اور کہاں جانا ہے
آخر تیرے پاس آنا ہے
آ کر اپنے پاس بُلا جا
پیارے پیارے چندا راجا

کب سے آنگن میں لیٹا ہوں
نیند کہاں ہے جاگ رہا ہوں
لوری گا جا اور سُلا جا
پیارے پیارے چندا راجا

کیوں ناراض ہوا ہے مجھ سے؟
نظریں دُور رکھوں گا تجھ سے؟
تُو مجھ سے روٹھے گا؟ جا جا
پیارے پیارے چندا راجا

آ، میں تیرا دِل بہلا دوں
کوئی اچھی چیز کھلا دوں
لے، یہ دودھ جلیبی کھا جا
آجا چندا راجا آجا

ہمدرد گھٹی

بچّوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا

چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹی نومولود بچّوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی خوش ذائقہ ہمدرد گھٹی بچّوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

نمک کا تھیلا

انور کمال حسینی

ایک مرتبہ شیر، چیتا، زیبرا، سانپ، سارس اور ریچھ نے ایک جگہ اکھٹے ہو کر ادھر اُدھر کی باتیں کیں اور باتیں کرنے کے بعد وہ پانی پینے کے لیے ندی کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں شیر کی نگاہ کسی چیز پر پڑی۔ وہ ایک چھوٹا سا تھیلا تھا جو زمین پر پڑا ہوا تھا۔

"وہ دیکھو ایک تھیلا۔" شیر نے کہا۔

چیتے نے اس تھیلے کو دیکھ کر کہا، "نمک کی خوش بُو معلوم ہوتی ہے۔"

ریچھ نے تھیلے کو کھولنے کی کوشش کی مگر وہ کام یاب نہیں ہو سکا۔

سارس کو اپنی لمبی چونچ سے تھیلے میں سوراخ کر دینا چاہیے۔" زیبرا نے کہا۔
سارس نے تھیلے میں سوراخ کر دیا اور تب سانپ نے آگے بڑھ کر نمک کا مزہ چکھا اور کہا: "بے شک یہ نمک ہے۔"
اس کے بعد ان سب نے نمک چکھا، کیوں کہ جنگل میں نمک کہیں نہیں ملتا تھا۔ اس لیے وہ اسے پا کر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے سوچا کہ اب وہ روز نمک کا مزہ لیا کریں گے۔
سب سے پہلے شیر نے دھاڑ کر کہا۔
"نمک میرا ہے، کیوں کہ میں نے اسے سب سے پہلے دیکھا ہے۔"
"نہیں یہ میرا ہے، کیوں کہ میں نے سونگھ کر بتایا تھا کہ اس میں نمک ہے۔" چیتے نے شیر کو غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔
"لیکن بھائی یہ میرا کیوں نہیں ہے؟" ریچھ نے ہنستے ہوئے پوچھا، "کیا میں نے تھیلا کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی؟"
"مگر تم ناکام رہے تھے؟" زیبرا نے کہا، "جناب یہ میں تھا جس نے سارس سے تھیلے میں سوراخ کرنے کو کہا تھا۔ اس لیے نمک میرا ہونا چاہیے۔"
"اوہو ــــ سوراخ میں نے کیا اور مالک آپ بن رہے ہیں؟" سارس نے کہا، "نمک میرا ہے اور صرف میرا ہے۔"
"نہیں نہیں!" سانپ نے پھنکار مارتے ہوئے کہا، "میں نے نمک کا ذائقہ چکھ کر بتایا تھا اور اگر تم میں سے کسی نے بھی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اس کو ڈس کر ختم کر دوں گا۔"
اس کے بعد ان جانوروں کی آپس میں لڑائی ہونے لگی اور کسی طرح ختم ہونے میں نہ آئی تو اتفاق سے ایک گیدڑ اُدھر آ نکلا۔ اور اُس نے ان سے پورا واقعہ پوچھا۔ شیر نے شروع سے آخر تک پوری کہانی سنا دی۔ گیدڑ نے خاموشی سے قصّہ سُنا اور پھر کہا۔
"دیکھو بھائیو! میں ایک ترکیب بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم سب آنکھیں بند کر کے کھڑے ہو جاؤ اور پھر سو تک گنتی گنو۔ اتنی دیر میں میں تھیلے کو چھپا دوں گا۔ پھر جو سب سے پہلے اُسے تلاش کرے گا بس وہی اُس کا مالک ہو گا۔"
یہ سُن کر سب جانور راضی ہو گئے اور انھوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ سو تک گنتی گننے کے بعد

انھوں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور تھیلا تلاش کرنا شروع کر دیا، مگر تھیلے کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ آخر وہ تھک گئے اور انھوں نے گیدڑ کو آواز دی تاکہ اُسی سے تھیلے کا پتا معلوم کر کے ڈھونڈ لیں۔ مگر گیدڑ وہاں کہاں رکھا تھا؟ وہ تو اپنی کھوہ میں بیٹھا ہوا نمک کے چٹخارے لے رہا تھا اور جنگل کے "چھے بڑے بے وقوفوں" کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"اگر وہ جانور اتفاق سے رہتے اور نمک کے چھے برابر حصّے کر لیتے تو نمک سے ہاتھ نہ دھوتے اور اگر مجھ کو جج نہ بناتے تو میں اُن کے پورے نمک پر قبضہ کیسے کرتا؟"

اُدھر اُن چھے بڑوں نے ارادہ کر لیا کہ اگر گیدڑ کبھی اُن کے سامنے پڑ گیا تو وہ اُس کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، مگر گیدڑ بعد میں کبھی اُن کے سامنے آیا ہی نہیں اور وہ نمک کی خواہش کرتے کرتے ہی مر گئے۔

ننھا سیّاح

(ناول)

محمد زکریا مائل

ابن بطوطہ ایک مشہور سیاح تھا۔ اُس نے اسلامی ملکوں کی سیر کی تھی لیکن بغداد کا ننھا سیاح نجمی گھر چھوڑ کر کشتی میں ایک عجیب و غریب جزیرے پر جا نکلتا ہے جہاں بونے رہتے ہیں۔ وہ بونوں کی شاہ زادی میروت کا مہمان بنا۔ اُس نے بونوں کی دُنیا میں عجیب عجیب باتیں دیکھیں، انوکھی غذائیں کھائیں اور ٹی وی اور ریڈیو سے بھی زیادہ عجیب آلے دیکھے۔

یہ تمام دل چسپ باتیں اور شرارتی جن کو قید کرنے کا حال آپ اس سفرنامے میں پڑھیں گے اور حیرت میں ڈوب جائیں گے۔

قیمت: ۴/۵۰ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی ۱۸

فارسی حکایتیں

اطہر قمر

ایک فقیر نے کوئی بڑا جرم کیا۔ لوگ اُسے پکڑ کر حاکم شہر کے پاس لے گئے تاکہ اُسے سزا دلواسکیں۔ حاکمِ شہر کالا حبشی تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ فقیر کے پورے چہرے کو کالا کر کے سارے شہر میں پھرائیں۔

فقیر نے عرض کیا، "اے حاکم! میرے صرف آدھے چہرے کو کالا کروائیں، ورنہ شہر کے لوگ سمجھیں گے کہ میں شہر کا حاکم ہوں۔"

یہ سُن کر حاکم کو ہنسی آگئی اور اُس نے فقیر کو معاف کر دیا۔

ایک آدمی ایک فقیر کی پگڑی لے کر بھاگ گیا۔ فقیر قبرستان میں گیا اور ایک پتّھر کی سل پر بیٹھ گیا۔ لوگوں نے اُس سے کہا، "وہ آدمی تمھاری پگڑی لے کر دوسری طرف گیا ہے، یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ اس کے پیچھے جاؤ۔"

فقیر نے جواب دیا، "آخر وہ بھی یہیں آئے گا، اسی وجہ سے یہاں اُس کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔"

ایک غریب شاعر ایک مال دار آدمی کے پاس گیا اور اس کے اتنا نزدیک بیٹھ گیا کہ دونوں کے بیچ میں صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ گیا۔ مال دار آدمی کو شاعر کی اس حرکت پر بڑا غصّہ آیا۔ اُس نے غریب شاعر سے کہا، "تجھ میں اور گدھے میں کتنا فرق ہے؟"

غریب شاعر نے جواب دیا، "ایک بالشت کے برابر۔" مال دار آدمی اس جواب سے بہت شرمندہ ہوا اور غریب شاعر سے معافی مانگی۔

ایک بادشاہ نے نجومی سے پوچھا، "میری عمر کے کتنے سال باقی ہیں؟" نجومی نے جواب دیا، "دس سال۔" بادشاہ یہ سُن کر بہت پریشان ہوا اور بیمار ہو کر بستر پر پڑ گیا۔ اُس بادشاہ کا وزیر بہت عقل

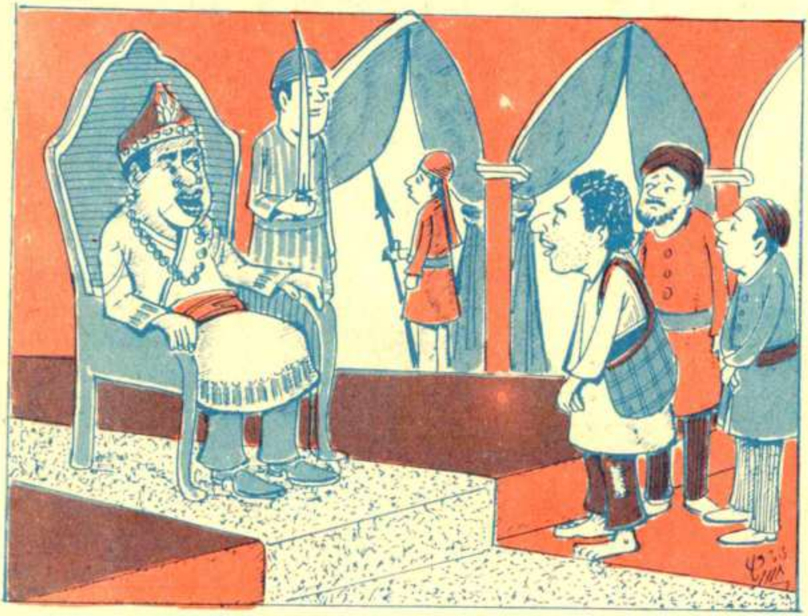

"میرے آدھے چہرے کو کالا کروائیں ورنہ لوگ سمجھیں گے کہ میں شہر کا حاکم ہوں۔"

مند اور ہوشیار تھا۔ اُس نے فوراً نجومی کو بُلایا اور بادشاہ کے سامنے نجومی سے پوچھا، "تیری عمر کے کتنے سال باقی ہیں؟"

نجومی نے جواب دیا، "بیس سال۔" وزیر نے اسی وقت نجومی کو قتل کروادیا اور بولا، "جسے اپنی عمر کا صحیح پتا نہیں وہ بادشاہ کی عمر کیا بتائے گا۔ میں نے اُسے اسی لیے قتل کروایا کہ پھر کوئی ایسا جھوٹ نہ بولے۔"

ایک شخص سفر پر جارہا تھا۔ اُس نے اپنے کنجوس دوست سے کہا، "تم مجھے اپنی ایک انگوٹھی نشانی کے طور پر دے دو۔ سفر سے واپسی پر میں تمھیں تمھاری انگوٹھی واپس کردوں گا۔ تمھاری انگوٹھی میرے پاس یادگار کے طور پر رہے گی۔"

کنجوس دوست نے جواب دیا، "اگر تم کو مجھ سے اتنی ہی محبّت ہے تو مہربانی کرکے تم مجھ سے انگوٹھی مت لو اور جب اپنی خالی انگلی دیکھو تو مجھے یاد کرلینا۔"

فقیر نے قبرستان کے سِل پر بیٹھتے ہوئے کہا "آخر چور کبھی تو یہاں آئے گا!"

ایک عرب دیہاتی کو ایک خلیفہ کے سامنے لایا گیا۔ دیہاتی نے دیکھا کہ خلیفہ تخت پر بیٹھا ہے اور دوسرے لوگ نیچے بیٹھے ہیں۔

دیہاتی بولا، آپ پر سلامتی ہو اے خدا۔

خلیفہ نے کہا، میں خدا نہیں ہوں۔

پھر دیہاتی بولا، آپ پر سلامتی ہو اے جبریلؑ!

خلیفہ نے کہا، میں جبریل نہیں ہوں۔

اس پر عرب دیہاتی بولا، تم اللہ نہیں ہو، تم جبریلؑ بھی نہیں ہو، پھر اکیلے تخت پر کیوں بیٹھے ہو؟ تم بھی نیچے آؤ اور دوسرے لوگوں کے درمیان بیٹھو۔

خلیفہ یہ سُن کر بہت شرمندہ ہوا۔

سلسلے وار کہانی
قسط ششم

چالاک خرگوش

کرشن چندر

چاندنی رات میں سنپا اپنا فراک پہن کر سچ مچ ایک سُندر سنپا معلوم ہوتی تھی۔ اسے دیکھ کر خرگوش کا دل دھک دھک کرنے لگتا تھا۔

خیر صاحب، تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر بھائی ریچھ نے اپنی بنسی اور کانٹا نکالا اور بھائی لومڑ نے اپنا جال جھولے سے نکالا۔ کھتیا کولی اور اس کی لڑکیاں بھی تالاب کے کنارے کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے لگیں۔ جب سب کچھ تیار ہو گیا تو خرگوش نے تالاب کے کنارے جاکر پانی کی طرف نظر دوڑا کے دیکھا۔ پھر اس نے بُرا سا منھ بنایا اور بڑی اُداس آواز میں کہنے لگا، "بچ بچ! آج مچھلی کا شکار نہیں ہو سکے گا۔ آج ہمیں واپس گھر جانا پڑے گا۔ کچھوا یہ سُن کر آگے آیا اور خرگوش کی طرح اس نے بھی پانی میں دیکھا اور سر ہلا کے کہا، ہاں خرگوش بھائی ٹھیک کہتے ہیں، واقعی آج مچھلی کا شکار نہ ہو سکے گا۔

لڑکیوں نے ناامیدی سے چلّا کے کہا، کیوں جی، کیا بات ہو گئی۔ شکار کیوں نہیں ہو سکتا، پانی میں کون ہے؟

خرگوش نے لڑکیوں سے کہا، گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے خواتین! آپ کی حفاظت کے لیے ہم موجود ہیں۔ باقی یہ رہا کہ پانی میں کون ہے سو آپ خود دیکھ سکتی ہیں۔

تب بہت سے جانور آگے جھک کر پانی میں دیکھنے لگے اور ان سب کو چاند نظر آیا۔

لومڑ بھائی گھبرا کے بولے، "باپ رے!"

بھیڑیا بولا، "یہ تو بہت بُرا ہوا!"

ریچھ نے کہا، "کیسی مصیبت میں پھنس گئے ہم لوگ۔"

"کچھ بھی ہو" خرگوش نے مُڑ کے جانوروں سے کہا، "اگر آپ مچھلی کا شکار کرنا چاہتے ہیں تو چاند کو پانی سے نکالنا ہو گا۔ اس کے بغیر مچھلیاں جال ہی میں نہ آئیں گی، نہ کانٹے کو نگلیں گی۔"

"مگر چاند کیسے پانی سے نکالا جائے؟" ریچھ نے کہا۔

خرگوش سوچنے لگا۔ اس نے آہستہ سے ایک آنکھ بند کی، دوسری کھولی۔ دوسری بند کی، پہلی کھولی۔ پھر سوچ سوچ کر کہنے لگا، "بس ایک ترکیب ہے لومڑ بھائی، اگر اپنا جال پانی میں پھینکیں اور چاند کو گھسیٹ کر باہر نکال لیں۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔" مگر لومڑ اپنا جال دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ چاند اس نے سُن رکھا تھا اتنا بھاری ہوتا ہے۔ کہیں جال بیچ میں سے نہ ٹوٹ جائے۔

کچھوا بولا، "پرانے بزرگ کہہ گئے ہیں کہ جو جانور چاند کو پانی سے گھسیٹ کے باہر نکالتا ہے اسے سونے کی دس اشرفیاں اسی جال میں مل جاتی ہیں۔"

سونے کی اشرفیاں سنتے ہی لومڑ کے دل میں لالچ پیدا ہوا اور اس نے جال ڈالنے پر رضا مندی ظاہر کر دی۔ اتنے میں خرگوش اپنا کوٹ اُتار کر پانی میں گھسنے کے لیے تیار ہو گیا تھا مگر ریچھ اور لومڑ دس اشرفیاں خود حاصل کرنا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے خرگوش کو پانی میں گھسنے کی اجازت نہ دی اور خود جال لے کر کپڑوں سمیت پانی میں گھس گئے۔ جال کا ایک سرا لومڑ نے پکڑ لیا، دوسرا ریچھ نے، اور جلدی سے اسے پانی میں ڈال کے پانی کی تہ سے جہاں چاند چمک رہا تھا چاند کو باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ جال کو پانی میں پھیلا کے وہ دونوں زور لگا لگا کر آہستہ سے جال کو پانی سے باہر گھسیٹ کے لائے، مگر چاند نہ نکلا۔

ریچھ اور لومڑ کیچڑ میں لت پت ہو گئے۔

خرگوش نے کہا، "چاند ذرا آگے گہرے پانی میں ہے۔ آپ لوگ کنارے ہی پر جال ڈال رہے ہیں۔"

تب ریچھ اور لومڑ ہٹ کر کے کمر تک گہرے پانی میں گئے اور پھر انھوں نے جال ڈالا اور اسے زور لگا لگا کر کھینچ کھینچ کر کنارے پر لے آئے۔ پھر بھی چاند ہاتھ نہ آیا۔

خرگوش نے کہا، "میرے خیال میں چاند بہت گہرے پانی میں ہے۔"

اب کی ریچھ اور لومڑ اتنے گہرے پانی میں چلے گئے کہ پانی ان کے کانوں تک آگیا۔ جال پھینک کر زور لگاتے لگاتے ان کے قدم اور گہرے پانی میں چلے گئے اور وہ دونوں ڈوبنے لگے اور جال ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بڑی مشکل سے وہ دونوں تیر کر کنارے سے آلگے مگر تین بار پانی میں گھسنے سے ان کے کپڑے گیلے اور کیچڑ میں لت پت ہو گئے تھے اور وہ ایسے بدصورت اور بے ڈھنگے دکھائی دینے لگے کہ انھیں دیکھتے ہی غنپا عنپا اور سنپا ہنسنے لگیں اور دوسرے جانور بھی ان کی ہنسی میں شریک ہو گئے۔ ریچھ اور لومڑ بہت شرمندہ ہوئے، مگر اس وقت کیا کر سکتے تھے۔

خرگوش نے بہت سنجیدہ ہو کر ان سے کہا، "آپ لوگ جلدی سے گھر جا کے کپڑے بدل لیجیے ورنہ سردی لگ جائے گی اور آپ لوگ بیمار پڑ جائیں گے۔"

ریچھ اور لومڑ کپڑے بدلنے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی جنگل کے چھوٹے چھوٹے جانور خوب ہنسے۔ غنپا، سنپا اور عنپا نے گیت گائے۔ اپنا ناچ دکھایا۔ پھر سب لوگ اپنے اپنے گھروں سے کھانا لائے تھے وہ سب نے مل کر بانٹ کر کھایا۔ بڑی عمدہ پک نک رہی۔

گرمیاں چلی گئیں۔ خزاں آئی۔ پھر خزاں بھی چلی گئی اور سردیوں کے دن شروع ہو گئے۔

خرگوش دو دن سے بھوکا تھا اور جنگل میں کچھ کھانے کو اسے نہیں مل رہا تھا اور سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ ذرا تیز تیز چلوں گا تو بدن خود بہ خود گرم ہو جائے گا اور سردی نہیں لگے گی۔ یہ سوچ کر وہ تیزی سے بھاگنے لگا۔

راستے میں اسے گیدڑ ملا۔ گیدڑ نے اس سے پوچھا، "کیا بات ہے بھیا اتنی تیزی سے کیوں بھاگ رہے ہو؟"

خرگوش نے بھاگتے ہوئے کہا، "مت پوچھو۔ میرے پاس بتانے کے لیے وقت

نہیں ہے!"
"کیا گھر میں کوئی بیمار ہے؟"
"مت پوچھو، میرے پاس وقت نہیں ہے۔"
"ارے بھائی، تو کیا کسی نئی دوڑ کی تیاری کر رہے ہو؟"
"مت پوچھو، میرے پاس وقت نہیں ہے۔" خرگوش نے دوڑتے ہوئے کہا۔
گیدڑ بولا، "تمھاری منّت کرتا ہوں بتاتے جاؤ کیا ماجرا ہے؟"
"کیا بتاؤں اُدھر جنگل میں ایک عجیب شور ہو رہا ہے۔ بس مت پوچھو، میرے پاس وقت نہیں ہے۔" یہ کہتے ہوئے خرگوش تیزی سے دوڑتا ہوا بھاگ گیا۔
یہ خبر سنتے ہی گیدڑ کے ہوش اُڑ گئے۔ وہ بھی تیزی سے دوڑنے لگا۔ بھاگتے بھاگتے اسے لومڑ ملا۔ لومڑ نے کہا، "کیوں بھاگ رہے ہو؟"
گیدڑ نے کہا، "مت پوچھو، میرے پاس وقت نہیں ہے۔"
"کیا ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہو؟"
گیدڑ نے پھر جلدی سے کہا، "مت پوچھو، میرے پاس وقت نہیں ہے۔"
لومڑ نے گھبرا کے کہا، "مگر بھیا، کچھ تو بتاتے جاؤ بات کیا ہے؟"
گیدڑ نے کہا، "کیا بتاؤں اُدھر جنگل میں ایک خوف ناک شور ہو رہا ہے۔"
لومڑ نے جو یہ سُنا خود بھی ڈر کے مارے دوڑنا شروع کر دیا۔ دوڑتے دوڑتے ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ راستے میں اسے بھیڑیا مل گیا۔
بھیڑیے نے کہا، "ارے ایسی تیزی سے کدھر بھاگے جا رہے ہو، جیسے شیطان تمھارا پیچھا کر رہا ہو۔"
لومڑ بولا، "مت پوچھو، میرے پاس وقت نہیں ہے۔"
"مگر ذرا دم تو لے لو۔ کچھ تو بتاؤ کس سے بھاگ کے جا رہے ہو؟"
لومڑ نے کہا، "اُدھر جنگل میں ایک خوف ناک شور ہو رہا ہے۔"
بھیڑیے نے جو یہ سُنا تو وہیں سے سرپٹ ہو گیا۔ راستے میں اسے ریچھ ملا۔ ریچھ بھی بھاگنے لگا۔ ریچھ کو چیتا ملا۔ چیتا بھی بھاگنے لگا۔ تھوڑی دیر میں سارے جنگل میں بھگدڑ

سارے جانور جب خرگوش کے گھر پہنچے تو وہ گنا چُوستے ہوئے دھوپ سینک رہا تھا۔

مچ گئی اور ہر جانور خوف کے مارے بھاگ رہا تھا۔ بھاگتے بھاگتے یہ لوگ کچھوے کے گھر کے پاس پہنچے۔

کچھوے نے پوچھا، "تم کیوں بھاگ رہے ہو؟"

چیتے نے کہا، "اُدھر جنگل میں ایک خوف ناک شور ہو رہا ہے۔"

"تم نے شور سنا؟" کچھوے نے پوچھا۔

چیتے نے کہا، "میں نے تو نہیں سُنا، لیکن ریچھ نے سُنا ہے۔"

ریچھ نے کہا، "میں نے کہاں سُنا ہے مجھے تو بھیڑیے نے بتایا ہے۔ بھیڑیے سے پوچھو۔"

بھیڑیے نے کہا، "لومڑ سے پوچھو۔"

لومڑ نے کہا، "گیدڑ سے پوچھو۔"

گیدڑ نے کہا، "مجھے خرگوش نے بتایا تھا۔ خرگوش سے پوچھو۔"

سارے جانور اکھٹے ہو کے خرگوش کے پاس گئے۔ خرگوش اس وقت دروازے بند کیے اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا دھوپ سینک رہا تھا اور گنا چوس رہا تھا۔

نیچے سے جانوروں نے چلّا کے کہا، "اے خرگوش، کیا بات تھی، تمھیں بھاگتے دیکھ کے یہ گیدڑ بھی ڈر کے مارے بھاگنے لگا۔

خرگوش نے مسکرا کے کہا، "اجی کوئی بات نہ تھی۔ مجھے ذرا سردی لگ رہی تھی۔ میں نے کہا، "ذرا ایک دوڑ لگاؤں گا تو سارا جسم گرم ہو جائے گا۔ بس! مگر آپ لوگ اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سب شرمندہ ہو گئے۔ خاص طور پر جنگل کے بڑے بڑے جانور، جنھیں اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا۔ ریچھ اور چیتا اور بھیڑیا اور لومڑا اس وقت اس طرح غصّے کی نگاہوں سے خرگوش کو دیکھ رہے تھے جیسے اسے کچا ہی کھا جائیں گے۔ مگر دروازہ بند تھا اور اندر تالا لگا تھا اور خرگوش اپنے گھر کی چھت پر بڑے اطمینان سے گنّا چوس رہا اور یہ سب جانور شرمندہ ہو کر وہاں سے کھسک گئے۔ خرگوش نے انھیں خوب اُلّو بنایا تھا۔

بیگم کھتیا کوبی کے ہاں ایک روز سارے جانور دعوت میں پہنچے ہوئے تھے۔ ریچھ اور بھیڑیا، لومڑا اور گیدڑ، خرگوش اور کچھوا، عقاب اور گِدھ وغیرہ وغیرہ۔ وہ سب لوگ اطمینان سے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے جھگڑ نہیں رہے تھے، کیوں کہ اس دن کے بعد جس دن لومڑ نے کھیتا کوبی کے گھر خرگوش کو پکڑنے کی کوشش کی تھی کھتیا کوبی نے سب جانوروں سے کہہ دیا تھا کہ اگر تمھیں اس کے گھر آنا منظور ہو تو بہ خوشی آئیں، لیکن اس کے گھر میں آ کر لڑائی جھگڑا کرنے اور دنگا کرنے کی اجازت کسی کو نہ ہوگی۔ اس لیے تو آج سارے جانور بڑے مزے سے بیٹھے ہوئے ایک دوسرے سے گپ لڑا رہے تھے۔

مگر تم جانتے ہو جہاں دو چار عورتیں بیٹھی ہوں گی وہاں اگر مرد بھی موجود ہوں گے تو تھوڑی دیر کے بعد شیخی مارنے لگ جاتے ہیں۔ اس وقت بھی ایسا ہوا۔ سب سے پہلے خرگوش نے اس سلسلے کو شروع کیا۔ کہنے لگا، "اس جنگل میں سب سے تیز دوڑنے والا میں ہوں۔"

عقاب نے کہا، "سب سے اونچا اڑنے والا میں ہوں۔"

لومڑ نے کہا، "سب سے چالاک میں ہوں۔"

بھیڑیے نے کہا، "اور سب سے عقل مند میں ہوں۔"

ریچھ بولا، "اور سب سے طاقت وَر میں ہوں۔"

جب جانور اپنی اپنی ہانک رہے تھے۔ کچھوا چپ چاپ ایک آرام کرسی پر لیٹا سب کی باتیں سنتا رہا۔ جب سب جانور اپنی کہہ چکے تو اس نے بڑے اطمینان سے سگرٹ سلگایا اور کہا، "بھیّا خرگوش کتنا تیز دوڑ لیتے ہیں۔ یہ تو میں سب کے سامنے ان کو دِکھا چکا ہوں۔" اب بھیّا ریچھ اگر اپنے آپ کو سب سے طاقت وَر سمجھتے ہیں تو مجھ سے طاقت آزما کے دیکھ لیں۔"

اس پر سب جانور ہنسنے لگے، کیوں کہ کچھوے صاحب آدمی کی ہتھیلی کے برابر تو تھے۔ ریچھ ایک ہاتھ مارے تو جان نکال دے، مگر اس وقت کیا بڑھ بڑھ کے باتیں کر رہے تھے جانوروں کو بہت ہنسی آئی۔

غنیا بولی، "کچھوے صاحب، بھلا میں بھی تو سنوں آپ کیسے ریچھ سے طاقت آزمائیں گے۔"

کچھوے نے کہا، "بڑی آسان بات ہے۔ کہیں سے مجھے ایک مضبوط رسّا لا کے دیجیے۔ ایک سِرا ریچھ بھیا کے ہاتھ میں دیجیے۔ دوسرا میں پانی میں لے کر بیٹھ جاتا ہوں۔ اب ریچھ صاحب اگر مجھے پانی سے باہر نکال لیں تو وہ تگڑے، نہیں تو میں ان سے مضبوط۔"

غنیا تالی بجا کے بولی، "بات تو بالکل ٹھیک ہے، مگر تم ریچھ کے مقابلے پر رسّا کشی کر

ریچھ نے پوری قوت سے رسّے کو کھینچا، لیکن کچھوا پانی سے باہر نہ نکلا۔

سکو گے ؟"

"آزما کے دیکھ لو" کچھوے نے وہیں کرسی پر پڑے پڑے بڑی دل جمعی سے کہا۔

ریچھ بولا" مگر میرے پاس رسا نہیں ہے"

کچھوے نے کہا" ہاں تمھارے پاس رسا بھی نہیں ہے اور طاقت بھی نہیں ہے"

بیگم کھتیا کولی بولیں" میں آپ کو اپنے گھر سے ایک مضبوط رسا دیتی ہوں اور پھر ہم سب لوگ دریا کے کنارے چلتے ہیں اور ہو جائے آج رسا کشی ریچھ اور کچھوے کے درمیان"

"ریچھ بھیّا ہمارے تو دو بیلوں سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں" خرگوش نے کہا" یہ آج کچھوے کی کیا شامت آئی ہے"

مگر کچھوے نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ کھتیا کولی اپنے گودام سے ایک موٹا سا رسا نکال کر لائیں جسے ریچھ نے اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا اور اب جانور تماشا دیکھنے کے لیے دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ دریا کے کنارے پہنچ کر کچھوے نے ایک سرا ریچھ کے ہاتھ میں تھما دیا اور دوسرا سرا اپنے ہاتھ میں لے کر کہا" اب میں یہ سرا پکڑ کے دریا میں جاتا ہوں۔ جب میں دریا کے نیچے بیٹھ جاؤں گا تو رسّی کو زور سے جھٹکا دوں گا۔ جھٹکا دیتے ہی ریچھ بھیّا زور لگائیں اور مجھے پانی سے باہر نکال لیں تو یہ شرط جیت جائیں گے ورنہ نہیں!

کچھوا رسّے کے دوسرے سرے کو پکڑے ہوئے غڑاپ سے پانی میں گر گیا۔ نیچے پہنچ کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ آخر میں اسے پانی کے اندر ڈوبی ہوئی ایک بہت بڑے درخت کی جڑ مل گئی اور اس نے اچھی طرح سے رسے کو اس موٹی جڑ سے باندھ دیا۔ اور اسے ایک زور کا جھٹکا دے کر خود ایک طرف بیٹھ گیا۔

جھٹکا ملتے ہی ریچھ نے ایک ہاتھ سے رسّے کو پکڑا۔ مسکرا کر غنیا، عنپا اور سنپا کی طرف دیکھا اور اسے کھینچنا شروع کیا، مگر کچھوا پانی سے نہ نکلا۔ اب ریچھ نے ذرا حیران ہو کر رسّی کی طرف دیکھا اور اب اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر کھینچنا شروع کیا، مگر کچھوا پھر بھی پانی سے باہر نہ نکلا۔ اب ریچھ نے گھوم کر رسّے کو اپنے طاقت ور کندھوں پر لے لیا اور دونوں ہاتھوں سے کھینچنا شروع کیا، مگر کچھوا پھر بھی پانی سے نہ نکلا۔

نقلی شہزادی

سرور جمال

کسی زمانے میں ایک بادشاہ ہوا کرتا تھا۔ اس کے دو لڑکیاں تھیں۔ لڑکیاں جب کچھ بڑی ہوئیں تو انھیں ایک مولوی صاحب کے پاس پڑھنے کے لیے بٹھایا گیا۔ مولوی صاحب بڑی شہزادی سے بہت اچھی طرح پیش آتے، لیکن بے چاری چھوٹی شہزادی کی حالت بہت خراب تھی، کیوں کہ مولوی صاحب نے اس کو "کم بخت" کا نام دے رکھا تھا۔ ایسا خطاب پا کر بھلا شہزادی کہاں خوش رہ سکتی تھی۔ اس نے یہ بات اپنی امّی کو بتائی۔ ماں گھبرا گئی۔ یہ بات بادشاہ

سپاہی نے شہزادی سے کہا کہ وہ محل کے اندر جا کر پانی تلاش کرے۔

کے کانوں تک پہنچی۔ انھوں نے مولوی صاحب کو بُلایا اور پوچھا کہ وہ ان کی چھوٹی لڑکی کو "کم بخت" کے نام سے کیوں پکارتے ہیں۔ مولوی صاحب نے جواب دیا:

"میں ایسا اس لیے کہتا ہوں کہ بڑی شہزادی کی قسمت بہت اچھی ہے، لیکن چھوٹی شہزادی ایک بڑی بد قسمتی لے کر دنیا میں آئی ہے۔ اس کی شادی ایک مُردے سے ہو گی۔"

بادشاہ یہ سُن کر بہت پریشان ہوا۔ اس لیے نہیں کہ اس کی لڑکی کی شادی ایک مُردے سے ہو گی بلکہ اس لیے کہ اگر ایسا ہوا تو اس کے برابر والوں میں اس کی بڑی بدنامی ہو گی اور اُس کی اِس بے عزتی پر دوسرے بادشاہ اس پر ہنسیں گے۔ اس لیے اس نے چھوٹی شہزادی کو محل سے نکال دینے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا ایک دن اس نے ایک سپاہی کے ساتھ شہزادی کو جنگل میں بھیج دیا تاکہ وہ اسے گھنے جنگلوں میں چھوڑ آئے۔

گرمی کا موسم تھا اور دھوپ بہت تیز تھی۔ پیاس کے مارے دونوں کا بُرا حال تھا۔ آخر چلتے چلتے بہت دُور انھیں ایک بڑا سا محل دکھائی دیا۔ سپاہی نے شہزادی سے کہا کہ وہ محل کے اندر جا کر دیکھے۔ اگر پانی مل جائے تو وہ خود پی لے اور اس کے لیے لیتی آئے۔ شہزادی اندر چلی گئی۔ ابھی وہ پانی ڈھونڈھ ہی رہی تھی کہ محل کے تمام دروازے آپ سے آپ بند ہو گئے۔ اب تو شہزادی کے ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے۔ وہ بُری طرح گھبرا گئی اور چلّا چلّا کر رونے لگی، لیکن دروازے بند کے بند ہی رہے۔ سپاہی باہر کھڑا دروازہ پیٹتا رہا، لیکن جب بہت دیر ہو گئی اور دروازے نہیں کُھلے تو مایوس ہو کر چلا گیا۔

تھوڑی دیر تک رونے کے بعد شہزادی چُپ ہو کر اپنی حالت پر غور کرنے لگی۔ قسمت نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ وہ اٹھی اور محل کے اندر گھومنے لگی۔ محل میں بے شمار کمرے اور ہال تھے۔ ان میں طرح طرح کی چیزیں بھری پڑی تھیں۔ شہزادی کو ایسا لگا جیسے وہ کسی عجائب گھر میں پہنچ گئی ہے۔ جگہ جگہ پر انسانوں اور جانوروں کے مجسمے کھڑے، لیٹے یا بیٹھے تھے، لیکن وہ جب ان کے نزدیک گئی تو اسے محسوس ہوا کہ وہ سب حقیقت میں انسان اور جانور تھے، لیکن سب بے جان تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ جو جس حالت میں تھا اسی میں ہمیشہ کے لیے سو گیا تھا۔ باورچی خانے میں باورچی ہاتھ میں کفگیر لیے پتیلی پر جھکا تھا۔ دوسرا نوکر ہاتھ میں آلو اور چھُری لے کر اس طرح بیٹھا تھا گویا آلو کاٹ رہا ہو۔ کہیں کنیزیں ہنستی ہوئی آ رہی تھیں کہیں ناچ

شہزادی نے دیکھا کہ شہزادے کے پورے جسم میں سوئیاں چبھی ہوئی ہیں ۔

کے انداز میں کھڑی تھیں۔ کہیں کتا کسی پر غرّاتا ہوا آرہا تھا تو کوئی بلّی کسی چوہے پر جھپٹتی نظر آرہی تھی۔ محل کے سب سے اونچے مینار پر جو مرغ بانگ دینے کے انداز میں کھڑا تھا وہ قطب نُما کا مُرغ نہیں تھا بلکہ اصلی مرغ تھا جو نہ جانے کس زمانے سے اسی حالت میں کھڑا تھا۔ سوچو تو اگر تم وہاں ہوتے تو تمھیں کتنا مزہ آتا، لیکن بے چاری شہزادی تو ہر چیز کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ کہیں وہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ اس نے اپنے بازو پر خود ہی ایک چٹکی لی، لیکن اچھل پڑی۔ وہ زندہ تھی اور جاگ رہی تھی۔ پھر اس نے ہمّت کی اور محل کے باقی حصّوں کو غور سے دیکھنے کے لیے گھومتے گھومتے وہ ایک بڑے ہال میں پہنچی۔ وہاں اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ہال کے بیچ میں ایک شان دار چھپر کھٹ پر ایک بہت خوب صورت نوجوان شاہی لباس میں ملبوس ایک مومی مورت کی طرح چپ چاپ لیٹا ہوا ہے، لیکن اس کے پورے جسم میں سوئیاں ہی سوئیاں چبھی ہوئی ہیں۔

شہزادی اب اپنی قسمت پر شاکر ہو چکی تھی ۔ اسے اپنے استاد کی بات یاد آرہی تھی، "اس کی شادی ایک مُردے سے ہو گی ۔"

کہیں یہ مُردہ تو اس کا شوہر نہیں ۔ اب شہزادی اس محل کو اپنا محل سمجھنے لگی اور اس کی صفائی اور سجاوٹ میں مصروف رہنے لگی چوں کہ محل میں ایک آرام دہ زندگی گزارنے کے تمام ذرائع موجود تھے اس لیے شہزادی کو کسی بات کی تکلیف نہیں تھی ۔ اب اسے ان بے جان مجسموں سے ڈر بھی نہیں لگتا تھا ۔ اپنے کاموں سے چھٹی پا کر وہ اس نوجوان کے مجسمے سے سوئیاں نکالتی ۔ اس کے جسم پر بے شمار سوئیاں تھیں ۔ رات دن نکالنے پر بھی کئی ماہ گزر گئے ۔

ایک دن شہزادی حسبِ معمول سوئیاں نکالنے میں مشغول تھی ۔ اچانک باہر کی طرف کوئی آواز سنائی دی ۔ آواز بہت ہی درد بھری تھی ۔ وہ بڑے ہال سے نکل آئی ۔ ایسا لگا باہر کوئی درد بھری آواز میں پکار رہا ہے ۔ وہ بھاگ کر اوپر پہنچی ۔ چھجے سے جھانک کر نیچے دیکھا ۔ نیچے اس کی ہم عمر ایک لڑکی کھڑی تھی ۔ سردی سے کانپتی ہوئی ۔ اس نے رو رو کر بتایا کہ وہ جنگل میں راستہ بھول گئی ہے ۔ سردی اور خوف سے اس کا بُرا حال تھا ۔ اس نے شہزادی سے التجا کی کہ اگر وہ اسے اندر بُلالے تو وہ اس کا بڑا احسان مانے گی اور زندگی بھر اس کی ہر خدمت کرے گی ۔ شہزادی نے کہا، "افسوس کسی غیبی طاقت نے تمام دروازوں کو بند کر رکھا ہے ۔ دروازے کُھل نہیں سکتے ۔ نہ میں باہر آسکتی ہوں نہ کوئی اندر داخل ہو سکتا ہے ۔" وہ لڑکی یہ سُن کر اور زور سے رونے لگی کہ اب کیا کرے ۔ کالی اور سرد رات سَر پر تھی ۔ شہزادی کو اس لڑکی پر بہت ترس آرہا تھا ۔ اس کا دل اس لڑکی کو بچانے کے لیے بُری طرح بے چین ہو رہا تھا ۔ وہ سوچ رہی تھی کہ رات آرہی ہے ۔ جنگلی جانور اس کو چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے یا سردی کے مارے ٹھٹھر کر مَر جائے گی ۔ وہ سوچتی رہی ۔ سوچتی رہی ۔ آخر ایک راستہ اسے مل گیا ۔ ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آگئی ۔ وہ ایک مضبوط رسّی لے آئی ۔ اس کو نیچے پھینکا ۔ لڑکی سے کہا کہ وہ خوب مضبوطی سے اسے پکڑ لے ۔ پھر بڑی مشکل سے اسے اس کے ذریعہ سے اوپر کھینچا ۔ لڑکی اوپر آگئی ۔ وہ سردی سے کانپ رہی تھی ۔ شہزادی نے اسے گرم کپڑے اور کمبل دیے ۔ پیٹ بھر کے کھانا کِھلایا ۔ لڑکی بہت خوش ہوئی ۔ اب وہ اس کے ساتھ ہی رہنے لگی اور اس کی نوکرانی بن کر اس کی خدمت کرنے لگی ۔

اب تو شہزادی کی چھٹی ہی چھٹی تھی۔ اسے سوئیاں نکالنے کا زیادہ موقع ملنے لگا۔ اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ اس نوجوان کے جسم کی تمام سوئیاں نکل گئیں۔ صرف آنکھوں کی سوئیاں رہ گئیں۔

دوپہر کا وقت تھا۔ نوکرانی باورچی خانے میں کھانا پکارہی تھی۔ شہزادی سوئیاں نکال رہی تھی۔ اتنے میں ایک درد بھری آواز سنائی دی۔ محل کے باہر ایک فقیر صدا لگا رہا تھا۔ آواز اتنی پُر درد تھی کہ شہزادی کچھ سوچے سمجھے بغیر بھاگتی ہوئی چھت پر چلی گئی۔ ایک فقیر بھوک سے نڈھال کھانا مانگ رہا تھا۔ شہزادی دوڑتی ہوئی نیچے آئی تاکہ کھانے کی پوٹلی بنا کر فقیر کے پاس پھینک دے۔ شہزادی جب کھانا لے کر اوپر جارہی تھی تو وہ لڑکی یعنی نوکرانی بڑے ہال میں جا پہنچی۔ وہاں اس نے دیکھا کہ نوجوان کی دونوں آنکھوں پر اب دو سوئیاں نکالنے کو رہ گئی ہیں۔ نوکرانی نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور جھٹ سے دونوں کی دونوں سوئیاں نکال دیں۔ سوئیوں کا نکلنا تھا کہ وہ نوجوان آنکھیں کھول کر اُٹھ بیٹھا۔ حیرت سے اسے دیکھا اور پوچھا:

"تم کون ہو؟"

ٹھیک اسی وقت شہزادی فقیر کو کھانا دے کر کمرے میں واپس آئی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی نوکرانی بول اٹھی،

"میں شہزادی خوش بخت ہوں اور یہ میری کنیز بد بخت ہے۔ میں نے رات دن سخت محنت کر کے تمھارے جسم کی کروڑوں سوئیاں نکالی ہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تمھیں دوبارہ زندگی حاصل ہوئی۔"

حقیقت میں وہ نوجوان ایک شہزادہ تھا۔ ایک جادوگرنی نے اسے جادو کی سوئیاں چبھو کر زندگی سے محروم کر دیا تھا۔ سوئیاں نکلتے ہی جادو کا اثر ختم ہو گیا۔ نہ صرف شہزادہ زندہ ہو گیا بلکہ پورے محل میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ باغ ہرے ہو گئے۔ سارے دروازے کُھل گئے۔ سب اپنا اپنا کام کرنے لگے۔ باورچی جلدی جلدی کفگیر چلانے لگا۔ نوکر چھری سے آلو کاٹنے لگا۔ کنیزیں ہنسنے، گانے اور ناچنے لگیں۔ نوکر اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کرنے لگے۔ کتّا زور زور سے بھونکنے لگا۔ چوہا بلّی کے ڈر سے بل میں جا گھسا۔ مرغا پَر پھڑپھڑا کر بانگ دینے لگا، لیکن شہزادی پر ایک

سکتہ سا طاری ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے اور یہ سب کیا ہو گیا۔

اگرچہ وہ کنیز جو اب شہزادی خوش بخت کہلانے لگی تھی۔ اصلی شہزادی کے پاؤں کی دھول کے برابر بھی نہیں تھی، لیکن شہزادہ اس سے اتنا زیادہ خوش ہو گیا کہ اس سے شادی کر لی اور اب پورے محل پر نقلی شہزادی کی حکومت تھی۔ اصلی شہزادی اب اس کی کنیز بن چکی تھی، لیکن اب بھی وہ اپنی قسمت پر شاکر تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی قسمت بدلے گی اور اس دن کا انتظار وہ بہت اطمینان اور سکون سے کرنے لگی۔

شادی کے کچھ دنوں بعد شہزادہ حکومت کے کسی کام سے محل کے باہر جانے والا تھا۔ وہ ایک بہت اچھا انسان تھا۔ جاتے وقت نہ صرف اپنی ملکہ سے بلکہ اپنے تمام ملازمین سے بھی اپنی پسند کی کوئی چیز منگوانے کی فرمائش کے لیے پوچھا۔ سب نے اپنی اپنی پسند کی چیزوں کی فرمائش کی۔ شہزادی خوش بخت (نقلی شہزادی) نے تو زیورات اور کپڑوں کی فرمائش کی، لیکن

شہزادے نے سُنا کہ شہزادی گڑیا کو اپنی کہانی سنا رہی ہے۔

اصلی شہزادی نے کہا:
"عالی جاہ! میرے لیے سوتی جاگتی بولنے والی گڑیا لائیے گا، کیوں کہ آج کے زمانے میں انسان سے زیادہ وفادار گڑیا ہوتی ہے۔"

نقلی شہزادی اس کی اس بات پر جل کر رہ گئی، لیکن شہزادہ جب سفر سے واپس آیا تو اس کی گڑیا لانا نہیں بھولا۔ اصلی شہزادی گڑیا پاکر بہت خوش ہوئی۔ اسے ایک ساتھی مل گئی جس سے وہ اپنے دل کی بات کہہ سکتی۔

ہر روز آدھی رات کے بعد وہ گڑیا جاگ جاتی اور شہزادی سے باتیں کرنے لگتی۔ شہزادی اسے اپنی پوری کہانی سناتی پھر کہتی:

سنو سنو! اے گڑیا رانی
سنو سنو! اے گڑیا رانی
جو رانی تھی وہ باندی ہوئی
جو باندی تھی وہ رانی ہوئی
آخر یہ کب تک
آخر یہ کب تک

اس پر گڑیا اسے تسلی دیتی اور کہتی:

صبر صبر! اے میری رانی
صبر صبر! اے میری رانی
باندی کا تو چار دن کا سہارا ہوگا
پھر راج پاٹ تمھارا ہوگا
اس کی حکومت تو ہے جانی
تیری حکومت تو ہے آنی
صبر صبر! اے میری رانی
صبر صبر! اے میری رانی

شہزادی اور گڑیا کی یہ بات چیت روز ہی ہوتی۔ ایک دن یہ بات چیت محل کے ایک

پہرے دار نے سُن لی۔ اس نے دوسرے پہرے دار سے کہا۔ دوسرے نے تیسرے پہرے دار سے۔ یہاں تک کہ یہ بات پورے محل میں پھیل گئی کہ کنیز "بدبخت" کے پاس ایک جادو کی گڑیا ہے، وہ انسانوں کی طرح بات چیت کرتی ہے۔

نقلی شہزادی اس چرچے کو سُن کر بہت پریشان ہوئی کہ کہیں اس کا راز فاش نہ ہو جائے۔ اس نے شہزادے سے کہا:

"کنیز بدبخت جادوگرنی ہو گئی ہے۔ اسے فوراً ختم کروا دیجیے۔" لیکن شہزادہ بہت ہی رحم دل اور انصاف ور تھا، اس لیے اس نے کہا کہ بغیر چھان بین اور تحقیق کے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اس نے رات بھر جاگ کر کنیز کی بات چیت سننے کا ارادہ کیا، لیکن لاکھ کوشش کرنے پر بھی وہ رات بھر نہیں جاگ سکا۔ پچھلے پہر اسے نیند آ ہی جاتی۔ آخر اس نے ایک ترکیب سوچی۔

اس نے اپنی ایک انگلی چھری سے کاٹ لی۔ ایک پیالی میں نمک کا پانی اور ایک پیالی میں گلاب کا پانی رکھا۔ جب اسے نیند آنے لگتی تو وہ انگلی کو نمک کے پانی میں ڈال دیتا۔ تکلیف سے اس کی آنکھ کھل جاتی۔ جب تکلیف بڑھ جاتی تو گلاب کے پانی میں انگلی ڈبو دیتا۔ اس طرح اس میں ٹھنڈک پڑ جاتی اور تکلیف کم ہو جاتی۔ جب اسے نیند آتی وہ اس عمل کو دہراتا۔ یہاں تک کہ اصلی شہزادی اور گڑیا کی بات چیت کا وقت آ گیا۔ شہزادہ اس کے کمرے کے پاس جا کر ان کی گفت گو سننے لگا۔ شہزادے نے سُنا کہ شہزادی گڑیا سے اپنی پوری کہانی سُنا رہی تھی پھر حسبِ معمول کہا:

سنو سنو! اے گڑیا رانی
سنو سنو! اے گڑیا رانی

جو رانی تھی وہ باندی ہوئی
جو باندی تھی وہ رانی ہوئی

آخر یہ کب تک
آخر یہ کب تک

اس پر گڑیا نے جواب دیا:

صبر صبر! اے میری رانی
صبر صبر! اے میری رانی
باندی کا تو چار دن کا سہارا ہو گا
پھر راج پاٹ تمھارا ہو گا
اس کی حکومت تو ہے جانی
تیری حکومت تو ہے آنی
صبر صبر! اے میری رانی
صبر صبر! اے میری رانی

پوری کہانی سُن لینے کے بعد شہزادہ حیرت میں ڈوب گیا۔ صبح ہو گئی۔ اس نے اصلی اور نقلی دونوں شہزادیوں کو بُلایا۔ شہزادے نے اصلی شہزادی سے پوری کہانی سنانے کو کہا۔ اس نے اپنی پوری کہانی سُنا دی۔ نقلی شہزادی نے اس کی کہانی کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے بہت باتیں بنائیں، لیکن شہزادے نے اس کی ایک نہ سُنی۔ اب وہ پوری بات جان چکا تھا۔ نقلی شہزادی سے وہ اس قدر خفا ہوا کہ اسے پھانسی دینے کا حکم دے دیا، لیکن اصلی شہزادی نے اسے معاف کرنے کی سفارش کی۔ اس کے بے حد اصرار پر شہزادہ مان گیا، لیکن اسے جلاوطن کر دیا گیا۔

اب راج کمار نے اصلی شہزادی سے شادی کر لی اور دونوں آرام چین سے ہنسی خوشی رہنے لگے۔

الگ الگ

بعض نونہال مختلف تحریریں ایک ہی کاغذ پر لکھ کر بھیج دیتے ہیں، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ہر تحریر مثلاً سوال، تحفے، کہانی، بزم کے لیے خط، غرض ہر چیز الگ کاغذ پر لکھنی چاہیے اور کاغذ کی صرف ایک طرف۔ البتہ ایک لفافے میں آپ بہت سے کاغذ رکھ کر بھیج سکتے ہیں۔

اخبارِ نونہال

سورج سات رنگ بدلتا ہے

سری لنکا کے مغرب میں چند ایسی پہاڑیاں ہیں، جن کے قریب سورج غروب ہونے سے پہلے سرخ رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سبز رنگ نظر آتا ہے۔ اسی طرح سورج سات رنگ بدلنے کے بعد آخر غروب ہو جاتا ہے۔

مرسلہ: محمد حفیظ، ٹنڈو محمد خان

اتنی بڑی دُکان

نیویارک میں آر۔ ایچ۔ میسی اینڈ کمپنی کی چار منزلہ دُکان میں گیارہ ہزار ملازم ہیں۔ اس دُکان میں ہر روز ڈیڑھ لاکھ گاہک آتے ہیں اور چار لاکھ سے زائد چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔

مرسلہ: جہانگیر مرزا، کراچی

یہ درخت دُور دُور تک چمکتا ہے

انڈونیشیا کے جزیرے جاوا میں ایک عجیب و غریب درخت پیدا ہوتا ہے۔ یہ تقریباً چھے سات فیٹ اونچا ہوتا ہے اور رات کے وقت اس قدر چمکتا ہے کہ میلوں تک نظر آتا ہے۔

مرسلہ: حیدر علی اکبر علی، کراچی

نازک مزاج ریچھ

اوسٹریلیا میں ریچھ کی ایک خوب صورت قسم کوالا ملتی ہے۔ یہ بڑا تیز دماغ اور نازک مزاج ریچھ ہے۔ یہ آدمی سے چمٹ جاتا ہے، مگر نقصان بالکل نہیں پہنچاتا۔ غذا میں صرف یوکلپٹس کے درخت کی پتیاں کھاتا ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ ہر تیسرے دن یہ پتیاں بدل دی جائیں ورنہ وہ فاقہ کر کے جان دے دیتا ہے۔

مرسلہ: اطہر ندیم، ضلع اٹک

ننّھا ٹیلے وژن

سوئٹزرلینڈ کے ایک گھڑی ساز نے دنیا کا سب سے ننّھا ٹیلے وژن ایجاد کیا ہے جو آپ کی گھڑی کی صورت میں ہے۔ پہلے ایسا ٹیلے وژن بنانا ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ یہ دو چابیوں سے چلتا ہے۔ یہ ایک چابی سے بھرا جاتا ہے۔ دوسری چابی کے ذریعہ سے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ اس گھڑی کے مین اسپرنگ سے ایک راڈ گزار کر یہ شکل دی گئی ہے۔ گھڑی میں موجود یہ ننّھا منّا ٹیلے وژن بین الاقوامی نمائش میں انعام بھی حاصل کر چکا ہے۔

مرسلہ: محمد اسماعیل عبدالعزیز، کراچی

دنیا کا طویل ترین کیک

دنیا کا سب سے طویل کیک سوئڈن کے ایک گاؤں نارک سیپنگ میں تیار کیا گیا ہے۔ اس کیک کی لمبائی ۴۴۰.۶۰ میٹر ہے۔ یہ کیک اس گاؤں کی چھے سو ویں سال گرہ کے لیے تیار کیا گیا ہے اور اس کی تیاری میں ستر ہزار افراد نے حصّہ لیا۔ اس سے قبل طویل ترین کیک کی لمبائی ۱۱۷ میٹر تھی جو ایک رِکارڈ تھا، لیکن نئے کیک نے یہ رِکارڈ توڑ دیا ہے۔

مرسلہ: محمد عمر دراز خان خٹک، ٹنڈو محمد خان

پھوڑے پھنسی اور
خارش کا ایک علاج
مگر فساد خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے
خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے
پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں
کو جنم دیتے ہیں - ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی
کے ساتھ استعمال کیجئے ۔ خون کی صفائی اور جلدی
بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔
SAFI
صافی
BLOOD PURIFIER
جڑی بوٹیوں
سے تیار شدہ
صافی
ہمدرد
سے خون بھی صاف، جلد بھی صاف

زخم نہیں بھرتا

س: چوٹ لگنے کے بعد زخم کافی عرصے تک نہیں بھرتا، کیا یہ بھی کسی قسم کی بیماری ہے۔ اگر اس کا کوئی علاج اور پرہیز ہو تو ضرور بتائیں؟ محسن رجب علی، نواب شاہ

ج: ہاں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے خون میں اُس طاقت اور اُن اجزا کی کمی ہے کہ جو زخم کو بھرتے ہیں۔ آپ اگر ورزش نہیں کرتے تو اس طرف توجہ کریں۔ آپ کے خون کو تازہ اوکسی جن کی زیادہ ضرورت ہے۔ آپ کی غذا میں سبزیاں زیادہ ہونی چاہییں، خاص طور پر پتّوں والی سبزیاں۔ آپ کو زیادہ میٹھا بھی نہیں کھانا چاہیے۔

سر میں درد

س: میری امی کے سر میں بہت درد رہتا ہے۔ کانوں کے پیچھے ہڈیوں میں درد ہوتا ہے، بہت علاج کروایا، کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کوئی علاج تجویز کیجیے۔ طاہر مصطفےٰ، کراچی

ج: آپ کے محترم ابّا جان کا مزاج کیسا ہے۔ اگر وہ گرم مزاج ہیں تو اُن کی اس گرم مزاجی کی وجہ سے محترمہ والدہ صاحبہ کے سر کے پیچھے درد ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ یا آپ کے بھائی بہن محترمہ اماں کو ستاتے ہوں اور وہ کُڑھتی جلتی ہوں، اس سے بھی دردِ سر ہو جاتا ہے۔ خیر ایک بات اور ہے۔ ممکن ہے اُن کی آنکھیں کم زور ہوں اور اُن کو اب چشمے کی ضرورت ہو، کم زور آنکھوں کی وجہ سے دباؤ پڑتا ہے اور درد ہو سکتا ہے۔

سگرٹ نوشی

س: کیا سگرٹ نوشی سے انسان کی عمر کم ہو سکتی ہے؟ لوگوں سے سُنا ہے کہ ایک سگرٹ سے انسان کی عمر پانچ منٹ کم ہو جاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو حکومت سگرٹ کی صنعت پہ پابندی کیوں نہیں لگاتی؟ نعمت اللہ خان، ٹرنچ روڈ، چمن

ج: سگرٹ نوشی ایک بے کار اور بے مقصد مشغلہ ہے۔ اس سے جسمِ انسانی کو ذرّہ برابر کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بھلا یہ بھی کوئی شرافت ہے کہ انسان ہر وقت اور ہر جگہ ریل کا انجن بنا ہوا ہے۔ منھ سے دھواں انجن کی طرح نکال رہا ہے اور ہاں ذرا اس پہ تو غور کریں کہ ایک انسان اپنے منھ سے دھواں نکال رہا ہے اور ذرا غور نہیں کرتا کہ یہ دھواں دوسرے شریف انسانوں کے پھیپھڑوں میں بھی جا رہا ہے۔ کیا یہ تہذیب ہے؟ کیا یہ ہمدردی ہے؟

سگرٹ بلاشبہ جسمِ انسانی کے لیے سخت مُضر ہے۔ یہ پھیپھڑوں کو خراب اور دل کو ناکارہ بنا دیتی ہے۔ ساری دنیا اسے مُضر ثابت کر چکی ہے۔ دنیا کی اکثر حکومتیں سگرٹ نوشی کے خلاف ہو چکی ہیں اور دنیا کے تمام صحت دوست انسان عوام کو سگرٹ کے نقصانات سے آگاہ کراتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دانا و عاقل انسان اپنی صحت کا خیال کر کے خود سگرٹ چھوڑ دینے کا فیصلہ کرے۔

اگر انسان نے اپنی عقلِ سلیم سے کام نہ لیا تو پھر جبر کا زمانہ بھی اب دور نہیں ہے۔ ایسا وقت آ رہا ہے کہ دنیا کے سمجھ دار لوگ سگرٹ فیکٹریوں کو بند کرالیں گے اور زبردستی اُن کو ختم کرا دیں گے۔ حکومتیں اپنے مفاد کو ترک کر دینے پر مجبور ہوں گی اور عوام ان ناسمجھ حکومتوں کے خلاف ہو جائیں گے۔ اچھا ہے کہ ایسے حالات پیدا ہونے سے پہلے زر اندوزی کو ختم کر لیا جائے اور منافعت ترک کر کے انسان دوستی کی راہ اختیار کر لی جائے۔

غنودگی

س: پڑھنے بیٹھتا ہوں تو مجھے غنودگی سی آنے لگتی ہے۔ جماعت نہم سائنس کا طالب علم ہوں۔ جب استاد پڑھاتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا، کیوں کہ غنودگی طاری رہتی ہے۔ دُبلا پتلا ہوں، صحت ٹھیک نہیں ہے، ورزش کرتا ہوں، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ خورشید احمد، کراچی

ج: زندگی نام ہے حرکت کا اور حرکت میں برکت ہے۔ فرد ہو یا جماعت، اگر اس میں زندگی

نہیں ہے اور حرکت نہیں ہے تو وہ خسارے میں ہیں اور ٹوٹے میں رہتی ہیں۔ زندگی کے لیے ایک مقصد ضروری ہے، یعنی ایک ذی ہوش انسان کو اس دُنیا میں کیا کرنا ہے۔ جب تک اس مقصد کا تعین نہ ہو جائے وہ حرکت سے اور بیداری سے محروم رہتا ہے اور غنودگی اُس کا مقدر ہو جایا کرتی ہے۔ اگر آپ اپنی تعلیم کا ایک مقصد مقرر اور طے کر لیں اور پوری توجہ کے ساتھ اس مقصد کو حاصل کرنے کا عزم کر لیں تو غنودگی کو شکست دی جا سکتی ہے اور اس کی جگہ بیداری لے سکتی ہے۔ ایک عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اور زندگی کو پُر بہار بنانے کے لیے انسان کو اپنی صحت کی حفاظت بھی کرنی ہوتی ہے اور رہنے سہنے، کھانے پینے، سونے جاگنے وغیرہ میں اعتدال برتنا ہوتا ہے۔ اگر آپ نے زندگی اور تعلیم کا کوئی مقصد طے نہیں کیا ہے تو اب کر لیجیے۔

چائے کی خرابی

س: چائے کے نقصانات اور فوائد پر تفصیل سے روشنی ڈالیے، کیوں کہ میں چائے نہیں پیتا اور جہاں کہیں جاتا ہوں وہاں سب کو حیرت ہوتی ہے کہ میں چائے نہیں پیتا۔

محمد ارشد صدیقی، کراچی

ج: بھئی، اِس میں حیرت کی کیا بات ہے! سبحان اللہ! آپ بہت اچھا کرتے ہیں کہ چائے نہیں پیتے۔ چائے بھی کوئی پینے کی چیز ہے۔ آپ میرے زیادہ دوست ہیں۔ میں نے بھی کبھی چائے نہیں پی۔ چائے بہ ذاتِ خود صحت کے لیے اچھی نہیں ہے اور پھر بھئی ارشد میاں! اس میں ایک اور خرابی ہے اور وہ یہ کہ چائے ہمارے ملک میں نہیں ہوتی۔ یہ باہر سے آتی ہے اور اس پر ہمارا قیمتی سرمایہ ملک سے اربوں رُپوں کی صورت میں باہر چلا جاتا ہے اور ہم چائے پی پی کر غریب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہماری غربت کو دیکھ کر دنیا کے لوگ شاید ہم پر رحم کھاتے ہیں اور ہمیں امداد دیتے ہیں، قرضے دیتے ہیں۔ بھئی یہ تو بڑی توہین ہے، بے عزّتی ہے، بے غیرتی ہے کہ ہم چائے بھی بلا ضرورت پیا کریں اور قرضے اور امداد لے کر ہم بے عزّت بھی ہوں۔ ہم تو اسے بہت ہی بُرا سمجھتے ہیں۔

سوتے میں پیشاب

س: میری عمر ۱۴ سال ہے۔ روز رات کو نیند کے دوران میرا پیشاب نکل جاتا ہے۔ کبھی کبھی پیشاب

پیلا بھی آتا ہے اور جسم میں حرارت بھی رہتی ہے۔ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیے؟
ن۔الف، کراچی

ج : توبہ بھئی توبہ، یہ تو بڑی چھپانے والی بات ہے۔ آپ نے تو ہمدرد نونہال کے ذریعہ سے اس کا اعلان کر دیا۔ اچھا ہوا آپ نے اپنا نفیس نام نہیں لکھا بلکہ ن الف لکھا ہے! پیارے دوست آپ کو اپنی قوتِ ارادی سے بھی تو کام لینا چاہیے۔ اگر آپ پوری طرح فیصلہ کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ رات کو بلا ارادہ نیند میں پیشاب خطا ہو۔ اگر آپ کم زور ہیں تو اپنی صحت پر آپ کو توجہ کرنی چاہیے۔ بعض اوقات دماغی کم زوری بھی اس کا سبب ہوتی ہے۔ اس کا علاج خمیرہ ہمدرد ۶ گرام روزانہ مہینہ بھر کھا کر کرنا چاہیے۔ رات سونے سے پہلے پیشاب کر لینا چاہیے۔ دوا کے طور پر معجون کُندر ۶ گرام رات سوتے وقت کھا لینے سے فائدہ ہوتا ہے۔

مسوڑوں سے پیپ نکلتی ہے

س : عمر چودہ سال۔ ایک سال سے میرے مسوڑوں سے پیپ نکلتی ہے۔ بہت علاج کیا، کوئی فائدہ نہیں ہوا۔
رخسانہ نیاز، جھمپیر

ج : بہ ظاہر یہ پایوریا (PYORRHOEAH) ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنے دانتوں کی حفاظت میں کوتاہی اور غلطی کی ہو۔ دانت انسان کی بڑی اہم ضرورت ہیں۔ ان کی خرابی کئی قسم کے صحت کے مسائل پیدا کر دیتی ہے۔ مثلاً مسوڑوں کا یہ مواد خون میں جذب ہو کر جوڑوں کا درد پیدا کر سکتا ہے۔ اس سے ہضم بھی خراب ہو جاتا ہے۔ نونہالوں کو چاہیے کہ وہ دانتوں کو صاف کرنے کا بڑا ہی خیال رکھیں۔ صبح بھی دانت مانجھیں اور رات سوتے وقت بھی۔

رخسانہ بیٹی! آپ بڑا (گائے کا) گوشت کھانا تو بالکل ہی چھوڑ دیں۔ چھوٹا گوشت بھی زیادہ نہ کھائیں، بلکہ زیادہ تر تازہ اور کچی سبزیاں کھائیں۔ شاید آپ کی جسمانی ضرورت زیادہ حیاتین ج (وٹامن سی) کی ہے۔ آپ ایک مہینے تک پانچ سو ملی گرام کی ایک ٹکیا وٹامن سی کی روزانہ صبح کھائیں۔ اگر برش کرتی ہیں تو دانتوں کا برش نرم ہونا چاہیے۔

چھوٹا بارہ سنگھا اور اُس کا خواب

امریکا کے قدیم باشندوں کو ریڈ انڈین کہا جاتا ہے۔ ان کے بہت سے قبیلے تھے اور یہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ایک قبیلہ تھا "شٹن"۔ اس قبیلے میں ایک لڑکا رہتا تھا۔ اس کا نام "چھوٹا بارہ سنگھا" تھا۔ آپ حیران نہ ہوں۔ یہ لوگ اسی قسم کے نام رکھا کرتے تھے۔ ایک دن چھوٹا بارہ سنگھا اپنے خیمے میں غمگین بیٹھا ہوا باہر کی جانب دیکھ رہا تھا۔ حال آنکہ موسم بہار کا تھا اور پہاڑوں پر بے شمار جانور بھی تھے، پھر بھی وہ مغموم تھا۔ صرف وہی نہیں، بلکہ گاؤں کا ہر شخص مغموم تھا۔ خیموں کے اندر جوان اور بوڑھے گائے کی کھال اوڑھے حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔ خیموں کے باہر نہ تو کوئی بچّہ کھیلتا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور نہ کوئی جنگ جُو شخص تقریر

کر رہا تھا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چھوٹا بارہ سنگھا اپنے باپ کی طرف گھوما۔ اُس کے باپ کا نام "کھڑا ہوا بارہ سنگھا" تھا۔

"بابا، ہم کو اپنے گھوڑے کبھی ملیں گے بھی یا نہیں؟"

بات دراصل یہ تھی کہ کچھ فاصلے پر اُن کے دشمن قبیلے کا گاؤں تھا۔ اِس قبیلے کا نام تھا "کوّا"۔ دونوں قبیلوں میں ہمیشہ لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ پچھلے جاڑے میں ایک رات کوّا قبیلے نے حملہ کر دیا اور شنّن قبیلے کے تمام گھوڑے بھگا کر لے گئے۔ شنّن قبیلے کے جوانوں نے ان کا پیچھا کیا، مگر ناکام رہے۔ اس لیے کہ اُن کے پاس سواری کے لیے گھوڑے بہت کم رہ گئے تھے اور پھر پہاڑوں پر برف بھی جمی ہوئی تھی۔ برف کی وجہ سے جب شنّن قبائلی اپنے گھوڑوں سے اُتر کر آگے بڑھے تو کوّا قبائلیوں نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور ان کے رہے سہے گھوڑے بھی لے بھاگے۔ بڑی بھاری مصیبت آن پڑی تھی۔ ریڈ انڈین اپنے گھوڑوں کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ یہ لوگ صرف دو کام جانتے تھے، جنگ یا شکار، اور گھوڑے کے بغیر دونوں کام نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ لوگ یوں تو اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں سے گھوڑے مانگ سکتے تھے، مگر وہ بڑے خود دار تھے۔ کسی سے مانگنا اُن کو گوارا نہ تھا۔ لہٰذا اب صرف یہی رہ گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو دوبارہ حاصل کریں یا پھر جنگلی گھوڑوں کو پکڑ کر سدھائیں، لیکن دونوں کام گھوڑوں کے بغیر دشوار تھے۔ اسی رات چھوٹے بارہ سنگھے نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ وہ درختوں کے درمیان کسی چیز کا پیچھا کر رہا ہے، مگر وہ چیز نظر نہیں آرہی ہے۔ اس کے باوجود اسے یہ احساس بھی ہو رہا ہے کہ جس چیز کا وہ پیچھا کر رہا ہے وہ ایک گھوڑا ہے۔ صبح جب آنکھ کھُلی تو وہ خواب بتانے کے لیے اپنے باپ کے پاس پہنچا۔

"ابّو! ابّو، میں نے ایک بڑا انوکھا خواب دیکھا ہے۔" اس نے کہا، مگر باپ نے یہ کہہ کر اُسے چپ کرا دیا کہ "بیٹا، خواب تو انوکھے ہوتے ہی ہیں۔ ابھی اس کا ذکر نہ کرو۔"

اسی رات لڑکے نے پھر خواب دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے کا پیچھا کر رہا ہے۔ گھوڑا تو خیر اسے نظر نہ آیا، مگر وہ سمجھ گیا کہ کس قسم کا گھوڑا ہے۔ گھوڑا بالکل سفید تھا اور مزے کی بات یہ تھی کہ اس گھوڑے کے پیچھے اور بہت سے گھوڑے تھے۔ سفید گھوڑا دوسرے گھوڑوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ صبح جب اس نے اپنا خواب سُنانا چاہا تو اس کے باپ نے پھر منع کر دیا۔ تیسری بار اس

نے پھر یہی خواب دیکھا اور پھر چوتھی بار بھی یہی خواب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ اپنے گھر واپس آگیا ہے اور اپنے گاؤں والوں کے لیے بہت سے تحفے بھی لایا ہے۔ اس مرتبہ باپ نے بیٹے کا خواب سُن لیا اور بیٹے کو ساتھ لے کر گاؤں کے مرکز میں پہنچا اور چلّانے لگا، "ہُو کا ہے! ہُو کا ہے!" گاؤں کے لوگوں کو متوجہ کرنے کا ان لوگوں میں یہی طریقہ رائج تھا۔ چناں چہ تمام لوگ جمع ہو گئے۔ پھر باپ نے سب کو اپنے بیٹے کا خواب سُنایا۔ لوگ بڑے حیران ہوئے۔ اس قبیلے میں خوابوں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ لہٰذا خواب کو دوبارہ لڑکے سے سُنا گیا اور پھر تمام سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا۔ جب فیصلہ ہو گیا تو سب سے چھوٹا سردار بولا، "تمھارے خواب کا ہم یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ تم بہت سے جنگلی گھوڑوں کو پکڑ لو گے۔" اس بوڑھے سردار کا نام "چاند" تھا۔ چاند یہ بھی بتا سکتا تھا کہ چھوٹے بارہ سنگھے کو اس میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قبیلے کا یہ رواج نہ تھا کہ پہلے سے مشکلات کا تذکرہ کر دیا جائے۔ چناں چہ بوڑھا سردار اس سلسلے میں خاموش رہا۔

چھوٹا بارہ سنگھا اسی وقت اپنی مُہم پر روانہ ہو گیا۔ اس نے دریا پار کیا، جنگلوں سے گزرا اور میدانی علاقے میں پہنچ گیا۔ اس کے پاس نہ کوئی ہتھیار تھا اور نہ غذا۔ سارا دن وہ بھوکا پیاسا چلتا رہا، مگر اُسے گھوڑا نظر نہ آیا۔ شام کو جب سورج ڈھلنے لگا اور سائے لمبے ہوتے لگے تو اچانک اسے بہت دُور کوئی چیز بڑی تیزی سے حرکت کرتی ہوئی دکھائی دی۔ ساتھ ہی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

"میرا گھوڑا، میرے خوابوں کا گھوڑا!" چھوٹا بارہ سنگھا سوچنے لگا اور تیزی سے اس طرف دوڑا، مگر وہ گھوڑے کو نہ دیکھ سکا۔ آخر کار وہ تھک ہار کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا اور پھر سو گیا۔ اُس رات اس نے کوئی خواب نہ دیکھا، مگر کئی بار اس کی آنکھ کُھل گئی اور ہر بار اُسے اپنے قریب گھوڑے کے ہنہنانے اور ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ دوسرے دن وہ پھر گھوڑے کے تعاقب میں نکل گیا، مگر اس بار وہ اس کے پیچھے دوڑا نہیں، بلکہ آہستہ آہستہ گھوڑے کا پیچھا کرتا رہا۔ کئی گھنٹے چلنے کے بعد وہ سمجھ گیا کہ وہ کوّوں کے علاقے میں آگیا ہے، مگر اس نے پروا نہ کی۔ آخر کار جس وقت وہ ایک ندی سے پانی پی رہا تھا، اُس کی نظریں درختوں کی جانب اُٹھ گئیں۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ وہ سفید گھوڑا کھڑا ہوا ہے، جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس گھوڑے کے پیچھے اور بھی بہت سے گھوڑے موجود تھے۔

وہ سوچنے لگا، "اس سفید گھوڑے نے مجھے ان گھوڑوں تک پہنچا دیا ہے، مگر کہیں یہ گھوڑے کوّوں کے نہ ہوں۔" یہ گھوڑے ان کے نہ تھے۔ عین اسی وقت چھے آدمی جن کا تعلق کوّا قبیلے سے تھا، اچانک آن موجود ہوئے۔ یہ لوگ بھی ان گھوڑوں کو پکڑنا چاہتے تھے۔ کوّا قبائلی بڑے جنگ جُو تھے۔ انھوں نے صِرف گھوڑے کی طرف توجہ کی، لڑکے کی پروا نہ کی۔ یہاں تک کہ لڑکا جب چُپکے سے سفید گھوڑے پر سوار ہو گیا، اُس وقت بھی انھوں نے اس کی جانب کوئی خاص توجہ نہ دی۔ وہ لوگ لڑکے کو اپنے علاقے سے گھوڑے لے جانے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے تھے، چناں چہ انھوں نے اپنے گھوڑوں کو سفید گھوڑے کے پیچھے لگا دیا۔ لڑکے نے جب دیکھا کہ کوّا قبائلی اس کی طرف بڑھ رہے ہیں تو وہ تیزی سے سفید گھوڑا دوڑانے لگا۔ ممکن تھا کہ سفید گھوڑا لڑکے کو لے کر بہت دُور نکل جاتا اور یہ لوگ اسے پکڑ نہ پاتے، مگر چھوٹا بارہ سنگھا تو دوسرے گھوڑوں کو بھی حاصل کرنا چاہتا تھا، کیوں کہ گاؤں والوں کو گھوڑوں کی شدید

ضرورت تھی، لہٰذا اس نے سفید گھوڑے کو روک لیا اور سیدھا کوّوں کے سامنے آکھڑا ہوگیا۔ وہ کُل چھے تھے اور یہ اکیلا تھا۔ پھر وہ بہت بڑے اور طاقت ور تھے اور یہ چھوٹا سا لڑکا تھا۔ اُن کے پاس نیزے اور تیر کمان تھے اور کلہاڑیاں بھی۔ اُن کے بر عکس لڑکا بالکل نہتا تھا، مگر لڑکا گھبرایا نہیں۔ انھوں نے اسے ایک چھوٹا بچہ سمجھا، مگر وہ اپنے آپ کو بہت بہادر اور جنگ جُو سمجھنے لگا۔ چناں چہ وہ بولا، "ہمارے قبیلے کے لوگ تم سے ڈرتے نہیں اور نہ بھاگتے ہیں۔" یہ کہتے ہی اس نے کُود کر ایک بڑی سی ٹہنی اُٹھا لی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو چھے تجربہ کار بہادروں کے مقابلے میں کیا کر سکتا تھا۔ اس کے بجائے اس نے وہ طریقہ اختیار کیا جو عام طور پر ریڈ انڈین اس وقت کرتے تھے جب وہ صحیح معنوں میں بہادری کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔ یعنی یہ کہ وہ دشمن کو صرف چھو لیتے تھے، اسے نقصان نہیں پہنچاتے تھے، جب کہ دشمن اُسے مار ڈالنے پر تُلا رہتا تھا۔ "کوّے" فوراً تاڑ گئے کہ لڑکا کیا کرنے والا ہے، مگر انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ ذرا ہچکچائے۔ بس اتنی ہی دیر میں لڑکے نے ان پر حملہ کر دیا۔ اپنے قبیلے کا نعرہ لگا کر اس نے گھوڑے کو دوڑایا اور قبل اس کے کہ وہ لوگ سنبھل پاتے، اس نے تیزی سے اپنی ٹہنی ایک شخص کو مار دی اور اس کے فوراً بعد دوسرے آدمی کو بھی ٹہنی مار دی۔ اب تو "کوّے" بہت سٹپٹائے، کیوں کہ قبائلی دستور کے مطابق ان کے دو آدمی بے کار ہو چکے تھے۔ جن لوگوں کو ٹہنی لگی تھی، وہ خود بھی شرمندہ اور حیران تھے کہ اتنے چھوٹے سے لڑکے نے انھیں کس طرح ٹہنی مار دی۔ ٹہنی سے مار کھا جانے کا مطلب ہی گویا ہار جانا تھا۔ لڑکے نے انھیں سوچنے کی مہلت نہ دی اور دوبارہ حملہ کر دیا۔ وہ گھوڑے کی گردن پر جُھک کر اِدھر اُدھر مُڑتا جاتا تھا اور خود کو دشمنوں کے حملے سے بچاتا جاتا تھا۔ اتنے میں اس نے یکے بعد دیگرے دو وار کیے اور مزید دو آدمیوں کو "بے کار" کر دیا۔ اب جو دو باقی رہ گئے تھے، انھوں نے بڑی احتیاط برتنی شروع کر دی۔ ایک آدمی نے اپنی کلہاڑی لڑکے پر مارنا چاہی۔ لڑکا گھوڑے سے کُود پڑا اور دشمن کے گھوڑے سے بچ کر اس نے ایک آدمی کے پیر پر ٹہنی مار دی۔ اب صرف ایک آدمی باقی رہ گیا تھا۔ یہ ان کا سردار تھا۔ اس نے اپنے نیزے سے وار کیا۔ خوش قسمتی سے لڑکا اس وقت تک پھر گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا، لہٰذا وہ بچ گیا۔ اس کے بعد وہ پہلے بائیں جانب جُھکا، پھر دائیں جانب اور

اس کے بعد وہ اچانک سردار پر جھپٹ پڑا۔ اب سردار بھاگنے لگا اور لڑکا اس کا تعاقب کرنے لگا۔ اس دوران لڑکے نے قریب پہنچ کر سردار کی کہنی پر ٹہنی مار دی اور اس کا نیزہ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بالآخر کوّوں نے ہار مان لی اور اشاروں کی زبان میں لڑکے سے کہا کہ لڑائی ختم ہو گئی ہے۔ لہٰذا اسے اب کوّوں کے گاؤں چلنا چاہیے۔ چناں چہ وہ لوگ آگے آگے چلے اور لڑکا اپنے سفید گھوڑے پر ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ باقی جنگلی گھوڑے بھی سفید گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

کوّوں نے چھوٹے بارہ سنگھے کو اپنے گاؤں پہنچ کر بہت سے تحفے دیے اور جو گھوڑے وہ پکڑ لائے تھے، وہ سب واپس کر دیے۔ انھوں نے اس چھوٹے سے لڑکے کے ساتھ وہ سلوک کیا جو بڑے بڑے بہادروں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔

اس کے بعد چھوٹا بارہ سنگھا گھر واپس آ گیا۔ گاؤں کے لوگوں نے اس کا نہایت شان دار استقبال کیا۔ سب لوگ گھوڑوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس دن سے چھوٹا بارہ سنگھا سب کی نظروں میں بہادر آدمی بن گیا۔ حال آنکہ وہ ابھی نو عمر تھا۔ قبیلے والوں نے وہ ٹہنی سنبھال کر رکھ لی جس سے چھے آدمیوں کو زیر کیا گیا تھا۔

طب کی روشنی میں

سوالات بھیجنے والوں کے لیے

کالم طب کی روشنی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا اندازہ آنے والے بے شمار خطوط سے ہو رہا ہے۔ اکثر نونہال اس قسم کے سوالات بھیج رہے ہیں جن کے جواب رسالے میں شائع نہیں کیے جا سکتے۔ ایسے نونہالوں کو چاہیے کہ وہ اپنا مکمل پتا ضرور لکھیں تا کہ انھیں خط کے ذریعے سے ضروری مشورہ دیا جا سکے۔ مطب ہمدرد کے ماہر اطبا کسی معاوضے کے بغیر یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ جو نونہال اپنے سوالات کے جلد جوابات چاہتے ہیں وہ بھی اپنا پتا ضرور لکھیں۔ اگر آپ رسالے میں جواب چاہتے ہیں تب بھی اپنا پتا ضرور لکھیے۔

س: زہر جان دار کو کیسے ہلاک کرتا ہے؟ — فیض محمود خا کوانی، بہاول نگر

ج: زہر جان دار کے رگ و پے میں سرایت کر کے خون کے ذریعہ سے دل تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سے دل کی حرکت رُک جاتی ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔

س: کیا کوئی انسان مریخ پر زندہ رہ سکتا ہے؟ — ظہیر حسن، لاہور

ج: ابھی تجربہ نہیں ہوا۔ کوئی خلاباز ابھی تک مریخ پر نہیں اُترا۔ خیال تو ہے کہ وہاں تھوڑی بہت او کسی جن موجود ہے اور پانی کے ابخرات بھی موجود پائے گئے ہیں، لیکن یہ سب اتنے نہیں ہیں کہ ہم زمین کی طرح مریخ پر آرام سے رہ سکیں۔ کچھ عرصے بعد یہ معمّا بھی حل ہو جائے گا۔

س: جب ہم پانی اُبالتے ہیں تو وہ نیچے نہیں گرتا، لیکن دودھ کو گرم کرنے سے وہ نیچے کیوں گرتا ہے؟ — نبی بخش گشکوری، تحصیل کوٹ ادّو

ج: اس لیے کہ دودھ پانی سے مختلف ہوتا ہے۔ اوّل تو دودھ کثیف زیادہ ہوتا ہے جرارت پا کر اس کے سالمات ایک دوسرے سے دُور ہو جاتے ہیں، اس لیے وہ اُبل جاتا ہے۔ پانی بھی اُبلتا ہے، لیکن اتنا نہیں، کیوں کہ پانی کی بناوٹ سادہ ہوتی ہے۔

س: کیا ریڈ بلڈ مالٹا قدرتی طور پر اُگتا ہے؟ اگر نہیں تو اُسے کس طرح اُگایا جاتا ہے۔ اس کے فوائد

اور نقصانات کیا ہیں؟ انور علی، حیدر آباد

ج : ریڈ بلڈ مالٹا بھی اسی طرح قدرتی طور پر اُگتا ہے جس طرح اس کی دوسری قسم اُگتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ قسم ذرا الگ ہے۔ یہ ایک فرحت بخش پھل ہے اور وٹامن سی اس میں افراط سے ہوتا ہے جو ہماری صحت کے لیے ضروری ہے۔ نقصان صرف یہ ہے کہ کچّا اور زیادہ کھٹّا ہو تو نہ کھائیے ورنہ گلا خراب ہو جائے گا۔

س: ایک صحت مند انسان کے جسم میں کتنا خون ہوتا ہے؟ پروین ظفر، حیدر آباد

ج : ساڑھے چار لیٹر۔

س: جب بارش ہوتی ہے تو بجلی کیوں چمکتی ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

محمد محبوب الرحمان، کراچی

ج : پہلے تو یہ سمجھ لیجیے کہ آسمانی بجلی ایک قوی برقی چارج ہوتی ہے۔ اُسے ابھی تک اس طرح قید یا جمع نہیں کیا جا سکا کہ وہ زمین پر ہماری برقی ضروریات پوری کر سکے۔ یہ چارج بادلوں میں پیدا ہوتا ہے، کیوں کہ بادل بے شمار چھوٹے چھوٹے ذرّات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اُن میں مستقل طور پر حرکت رہتی ہے۔ یہ ذرّات باہمی رگڑ سے مثبت یا منفی چارج پیدا کر لیتے ہیں جو نہایت قوی ہوتا ہے۔ جیسے ہی مثبت چارج والا کوئی بادل کسی ایسے بادل کے قریب آتا ہے جس پر منفی چارج ہے تو یہ منفی چارج مثبت چارج سے ملنے کی کوشش کرتا ہے، کیوں کہ مخالف برقی باروں میں کشش پائی جاتی ہے۔ جب بھی ایسا ہوتا ہے تو ایک کوندا لپکتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ آسمان پر بجلی چمکی۔ اگر کبھی اتفاق سے کوئی چارج والا بادل زمین کے قریب آجاتا ہے یا کوئی اُونچا درخت، عمارت یا کوئی دوسرا واسطہ زمین اور بادل کے درمیان آجاتا ہے تو یہ چارج تیزی سے زمین میں اُترنے کی کوشش کرتا ہے۔ اُس وقت زبردست چمک اور کڑک پیدا ہوتی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ بجلی گری۔ اس کے راستے میں جو چیز بھی آتی ہے وہ جل کر خاک ہو جاتی ہے۔

س: کیا یہ سچ ہے کہ ایک سگرٹ پینے سے پانچ منٹ زندگی کم ہو جاتی ہے؟

راجا عبدالحئی بٹ، فیصل آباد

ج : ہر شخص کی صحت کا معیار دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ایک چیز سے کسی ایک شخص کو اتنا ہی نقصان پہنچے، جتنا دوسرے کو پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا تو درست نہیں ہوگا کہ ہر سگرٹ پر، ہر سگرٹ پینے والے کی عمر میں پانچ منٹ کی کمی واقع ہوتی ہے، لیکن یہ کہنا یقیناً درست ہے کہ تمباکو نوشی ایک بڑی عادت ہے اور اُس سے ہر شخص کو نقصان پہنچتا ہے۔ کسی کو کم، کسی کو زیادہ۔ فائدہ اس کا کچھ نہیں۔

س: بجلی کس سائنس داں کی ایجاد ہے؟ محمد عارف شہزاد، کراچی

ج : کئی سائنس دانوں کی۔ سیل پہلے ایجاد کیا گیا، جس کے سلسلے میں اورسٹڈ اور وولٹا کے نام لیے جاتے ہیں۔ پھر بجلی اور مقناطیسیت کا آپس کا تعلق دریافت کیا گیا اور ڈائی نیمو یا جنریٹر سے بجلی بنائی گئی۔ اس سلسلے میں فیراڈے کا نام زندہ رہے گا۔

س: تاب کاری سے کیا مُراد ہے؟ عملِ تاب کاری سب سے پہلے کس نے دریافت کیا؟
سید شہاب، کراچی

ج : تاب کاری جسے انگریزی میں ریڈیو ایکٹوٹی (RADIO ACTIVITY) کہتے ہیں، ایک قدرتی عمل ہے یعنی دنیا میں بعض ایسی دھاتیں یا عناصر پائے جاتے ہیں، جن سے خود بہ خود تیز شعاعیں پھوٹتی رہتی ہیں، جو ہمیں نظر نہیں آتیں۔ رنتگن نامی ایک جرمن سائنس داں اپنی میز کی دراز میں ریڈیم کی تھوڑی سی مقدار رکھ کر بھول گیا۔ اگلے دن اُس نے دیکھا کہ ریڈیم کے قریب رکھی ہوئی فوٹو گرافک پلیٹ پر ان شعاعوں کے نشان آگئے۔ حال آنکہ پلیٹ اچھی طرح سے لپٹی ہوئی تھی۔ اس مشاہدے سے رنتگن نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ضرور ریڈیم سے کچھ ایسی قوی شعاعیں نکلتی ہیں جو پلیٹ کی پیکنگ کو چیر کر نکل گئیں۔ وہ ان شعاعوں کی خصوصیات نہ سمجھ سکا۔ اس لیے اُن کے آگے ضرب کا نشان × لگا دیا گیا۔ انگریزی کا حرف ایکس (X) بھی اسی طرح لکھا جاتا ہے۔ جس وجہ سے یہ شعاعیں ابھی تک ایکس ریز کہلاتی ہیں۔ ریڈیم کے علاوہ یورینیم، تھوریم وغیرہ بھی تاب کار عناصر ہیں۔

س: سپیرے جب بین بجاتے ہیں تو سانپ کس طرح بل سے باہر نکل آتا ہے، جب کہ ہم نے سُنا ہے کہ سانپ بین کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتا ہے اور اُس کے کان نہیں ہوتے ؟

عمران فیروز خلجی، کراچی

ج : آپ نے ٹھیک سنا ہے کہ سانپ کے کان نہیں ہوتے اور وہ بین کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتا ہے۔ بل میں موجود سانپ بھی دُور سے سپیرے کی بین کو ہلتے دیکھتا ہے تو اس کو جستجو ہوتی ہے اور وہ بل سے باہر نکل آتا ہے۔

س: نکلیائی میزائل آخر کیا ہوتا ہے؟ تفصیل سے بتائیں۔ رضوان نثار، سیال کوٹ

ج : میزائل کسی بھی ایسی چیز کو کہتے ہیں، جسے دُور سے پھینکا جائے۔ چناں چہ تباہی مچانے کے لیے جو راکٹ یا گولے دُور سے پھینکے جاتے ہیں اور جن میں کوئی انسان سوار نہیں ہوتا وہ میزائل کہلاتے ہیں۔ نکلیائی اصطلاح لفظ نکلیس (NUCLEUS) سے بنی ہے۔ یہ وہ مرکزہ ہے جو ہر ایٹم میں ہوتا ہے، یعنی ایٹم بے حد مختلف ہونے کے باوجود اپنے مرکز میں ایک ٹھوس حصّہ رکھتا ہے، جسے نکلیس یا مرکز کہتے ہیں۔ جب وہ ٹوٹتا ہے تو بے اندازہ توانائی خارج ہوتی ہے، جسے جوہری، ایٹمی یا اب نکلیائی توانائی کہنے لگے ہیں، لہٰذا نکلیائی میزائل سے وہ ہتھیار مُراد ہے، جو ایٹمی توانائی سے چلے۔

س: خلا کہاں جاکر ختم ہوتا ہے؟ اس سے آگے کیا ہے؟ ریاض احمد ہاشمی، کراچی

ج : جہاں ہوا نہیں رہتی، اسے ہم خلا کہتے ہیں اور ہوا تو تھوڑی سی بلندی کے بعد ہی اتنی ختم ہو جاتی ہے کہ ہم سانس نہیں لے سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات میں مختلف ستاروں اور سیاروں کے درمیان کروڑوں اربوں میل تک خلا ہی خلا ہے۔ جہاں کائنات ہے وہاں خلا بھی ہے اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ یہ کائنات کتنی بڑی ہے۔ کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے۔

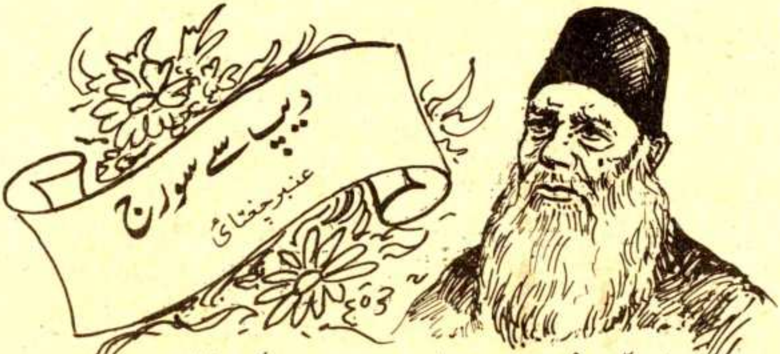

سرسیّد نے دیپ جلایا — اندھیارے کی پلٹی کایا
ہلکی پُھلکی، میٹھی میٹھی — بات نہیں کی، گیت سُنایا
گونگے ہوگئے دشمن بیری — اردو کا وہ جادُو چھایا
دیپ کی دھیمی جوت میں عنبر — ہر ساتھی کو آگے لایا

اُٹھا "اردو باغ" کا مالی — مسکیں صورت، فطرت عالی
جیسا وہ خود، ویسی باتیں — سیدھی سادی، بھولی بھالی
غالب کا شاگردِ حقیقی — جس نے الگ اِک راہ نکالی
گھور اندھیرے کی بستی سے — مشعل لے کر نکلا حالی

اِک دم ایسا طوفاں آیا — چاروں کھونٹ اندھیرا چھایا
دیپ کہاں کا! مشعل کیسی — جس کو دیکھا بُجھتا پایا
مردِ مجاہد عبدالحق نے — بیڑا اس ہل چل میں اُٹھایا
اپنی جوانی، اپنا جیون — جو کچھ تھا، اُردو پہ لُٹایا

اب تو انوکھی سج دھج ہے
دیپ کہاں، یہ سورج ہے

بُحیرۂ احمر — دل چسپیوں اور معلومات کا خزانہ

زمین، آسمان، چاند، سورج، دریا، پہاڑ، سمندر سب اللہ نے بنائے ہیں اور اس نے انھیں اس خوبی سے بنایا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ چاند، سورج اور ستارے برابر چکر کاٹ رہے ہیں۔ نہ ان کی رفتار میں فرق آتا ہے اور نہ یہ آپس میں ٹکراتے ہیں۔ زمین چکر لگاتی ہے اور ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ سمندروں میں طرح طرح کی مچھلیاں اور مونگے ہیں۔ مچھلیوں کے لیے غذا کا کیسا اچھا انتظام ہے۔ ان میں سے ہم جس چیز کو دیکھتے ہیں اللہ کی شان نظر آتی ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ان چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کو سائنس کا علم کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم یہ علم زیادہ سے زیادہ حاصل کریں۔ جو اللہ کے بندے اس کی بنائی ہوئی چیزوں پر غور کرتے ہیں بہت تعریف اور عزّت کے حق دار ہیں، کیوں کہ اس کی بنائی ہوئی جس چیز پر بھی آپ غور کریں گے آپ کو اللہ کی بڑائی کا اندازہ ہو گا۔ مثال کے طور پر ایک سمندر کو لیجیے جس کا نام بُحیرۂ احمر ہے۔ یہ سمندر دراصل بڑی بڑی کھائیوں کے سلسلے کا ایک حصّہ ہے جو ایشیا اور افریقہ کے براعظموں کو الگ کرتا ہے۔ یہ سمندر چودہ سو میل لمبا اور صرف ایک سو اکیانوے میل چوڑا ہے۔

اوپر سے تو یہ سمندر بہت خاموش نظر آتا ہے، لیکن جب کوئی اس کے اندر اُترتا ہے تو حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ رنگ برنگی چمک دار مچھلیاں ادھر سے اُدھر تیرتی ہوئی گزرتی رہتی ہیں۔ وہ جب تیزی سے تیرتی ہیں تو سمندر میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ سمندر میں گھونگھوں اور مونگوں کی لمبی لمبی قطاروں اور گہرے غاروں کی اندھیری راتیں عجیب منظر پیش کرتی ہیں۔ سمندر میں ہزاروں زہریلی مچھلیاں ہیں، جن کے جسم پر اُبھری ہوئی نوکیں ان کے قدرتی ہتھیار ہیں۔ ان مچھلیوں کی صورت ایسی ہے جیسے کوئی آب دوز کشتی۔ انسان نے آب دوز کشتی شاید ان مچھلیوں ہی کو دیکھ کر بنائی ہے۔

کچھ مچھلیاں ایسی ہوتی ہیں جن پر لہروں کی طرح پٹّیاں پڑی ہوتی ہیں۔ یہ مچھلیاں سمندر کے اندر مور کی طرح ناچتی رہتی ہیں۔ ناچنے میں ان کی صورت ایسی لگتی ہے جیسے کوئی سیپی

چکّر لگا رہی ہے۔ غرض سمندر کے اندر ایک دنیا آباد نظر آتی ہے جن میں غار بھی ہیں اور سُرنگیں بھی۔ یہ سُرنگیں قدرت نے بنائی ہیں یا مچھلیوں نے اپنے لیے راستے بنائے ہیں؟

اس سمندر میں اُترنے والے کو حیرت میں ڈالنے والے منظر بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔ سمندری زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے اس سمندر میں بہت چیزیں ملتی ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ دنیا کا کوئی دوسرا سمندر اس سمندر سے زیادہ معلومات کا خزانہ اپنے اندر نہیں رکھتا۔

بحیرۂ احمر کو جغرافیہ کے عالم ایشیا اور افریقہ کے درمیان ایک دراڑ کہتے ہیں۔ یہ دراڑ ہر سال چوڑائی میں تھوڑی تھوڑی بڑھتی رہتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایشیا اور افریقہ کی چٹانی زمین تھوڑی تھوڑی ہٹتی رہتی ہے۔

قدرت کے خزانوں کے ساتھ بحیرۂ احمر کی تاریخی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ اس کے ساحلوں نے ہزاروں سال سے قوموں کی ترقی اور زوال کے منظر دیکھے ہیں۔ دنیا کی سب سے پرانی تہذیبیں اس کے ساحلوں کے نزدیک زمین کے خطّوں پر پیدا ہوئیں اور پھر مٹ گئیں۔ تہذیبوں اور قوموں کے بننے بگڑنے کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔

اس سمندر کی بناوٹ خود اپنی جگہ ایک کشش رکھتی ہے۔ اگر اسے اوپر سے دیکھا جائے تو اس کی صورت بالکل ایک مچھلی کی طرح نظر آتی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت نے اس کو مچھلیوں کا خزانہ بنایا ہے۔ یوں تو اس سمندر میں چھوٹی بڑی رنگ برنگی اور خوب صورت مچھلیوں کی بہت سی قسمیں ہیں، لیکن سب سے زیادہ حیرت ایک خاص مچھلی کو دیکھ کر ہوتی ہے۔ اس مچھلی کو مسخری مچھلی کہتے ہیں۔ یہ مچھلی ایک خاص سمندری پھول کی گود میں سوتی ہے۔ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ یہ پھول مچھلیوں کو کھاتا ہے، لیکن مسخری مچھلی کے لیے بستر راحت بن جاتا ہے۔ اس پھول میں چُھپ کر مسخری مچھلی اپنے دشمنوں سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی جان دار پھول کو کھانا یا ختم کرنا چاہے تو مسخری بیگم لڑنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں اور دشمن کو قریب نہیں آنے دیتیں۔

بحیرۂ احمر میں ۶۵ قسم کی شارک مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ اس سمندر میں سونے چاندی کے علاوہ جست، مینگنیز اور تانبے کے ذخیرے بھی ہیں۔

صحت مند نونہال

دس سال سے کم عمر صحت مند نونہالوں کی تصویریں

رحمت علی، کراچی

محمد شکور، ڈیرہ دُبئی

محمد شکیل مغل، کراچی

وسیم غوری، حیدر آباد

کاظم اظہر کرمانی، کراچی

عبدالمجید، کراچی

صادق شاہ، کراچی

عزیز احمد، شکارپور

جمیل احمد خاں، کراچی

طاہر، نیو کراچی

محمد احسان اللہ لک، سرگودھا

نسیم اختر صدیقی، کراچی

منظور علی، کورنگی

عدنان، کراچی

محمد شبیر، ہری پور

تبسم بانو، کراچی

شکیل احمد

محمد فیضی عالم، ڈیرہ اسماعیل خان

نسیم قادری، کراچی

محمد محبوب الرحمن، کراچی

سید محمد عرفان، کراچی

محمد اجمل خان، کراچی

سید عمران بن سعید واسطی، کراچی

اظفر قریشی، کراچی

حفیظ الرحمن، کراچی

محمد ایاز سلیم، کراچی

ارم قریشی، کراچی

شاہد فتح محمد، کراچی

بابر نصیب خان ناصر، کراچی

نعمان ممتاز، کراچی

نونہال مصوّر

محمد مبشر اقبال پوار، ہری پور ہزارہ

ناصر محمود خان، کراچی

حمیرا یٰسین، کراچی

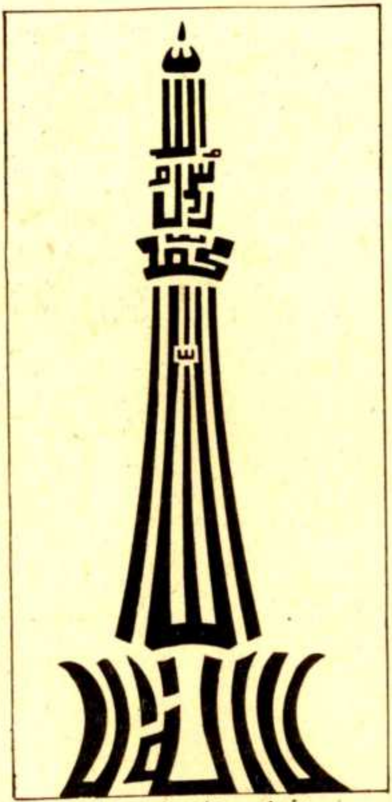

صغیر شاہد انصاری، کراچی

لبنیٰ وزیر، حیدرآباد

معلومات عامہ ۲۲۵

اس بار سے معلومات عامہ میں تھوڑی سی تبدیلی کی جا رہی ہے۔ سوالات دس کے بجائے بارہ دیے جا رہے ہیں، لیکن آپ جوابات صرف دس کے لکھیے۔ اس طرح آپ کو تھوڑی سی گنجائش مل گئی۔ سوالات بھی آسان کر دیے گئے ہیں۔ دس صحیح جوابات والوں کی تصویریں یا نام اور ۹ صحیح جوابات والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۲۰۔ جنوری ۱۹۸۵ء تک ضرور بھیج دیجیے۔ اس کاغذ پر جوابات اور نیچے اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ نہ لکھیے۔ تصویر بھیجیں تو اس کے پیچھے بھی اپنا نام اور شہر یا قصبے کا نام صاف لکھیے۔ صفائی اور خوش خطی بڑی خوبی ہے۔

۱۔ آپ کو اس اونٹنی کا نام معلوم ہو گا جس پر بیٹھ کر ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی۔

۲۔ کیا آپ کو ابوجہل کا اصلی نام یاد ہے؟

۳۔ اُس شاعر کا نام کیا ہے جنھوں نے اپنے ایک شعری مجموعے کا نام دیوانِ غالب کے پہلے شعر سے نکالا ہے۔

۴۔ پاکستان کے آخری گورنر جنرل کا نام کیا تھا؟

۵۔ مشہور تاریخی شالامار باغ پاکستان کے کس شہر میں ہے؟

۶۔ یونان براعظم ایشیا میں ہے یا یورپ میں؟

۷۔ نصراللہ خاں ہمارے ملک کے مزاح نگار اور صحافی ہیں۔ روزنامہ حریت کراچی میں روزانہ ایک مزے دار کالم لکھتے ہیں۔ بتایئے اُن کی تازہ کتاب کا نام کیا ہے؟

۸۔ مولانا محمد علی جوہر کے والد کا نام کیا تھا؟

۹۔ قائدِ اعظم ٹرافی کے نام سے قومی کرکٹ چیمپین شپ کس سال شروع ہوئی؟

۱۰۔ کراچی کے موجودہ میئر کا نام تو آپ کو معلوم ہو گا؟

۱۱۔ اردو کے ایک بہت مشہور شاعر فیض احمد فیض کا ۲۰۔ نومبر ۱۹۸۴ء کو لاہور میں انتقال ہوا ہے۔ بتایئے وہ کس گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔

۱۲۔ ذکی احمد ذکی کی نئی معلوماتی کتاب کا نام بتایئے جس میں انھوں نے صرف ادب اور ادیبوں کے بارے میں معلومات جمع کی ہیں۔

"دادا جان، کیا وجہ ہے کہ آپ کے سر کے بال سفید ہو گئے ہیں اور مونچھیں ابھی تک کالی ہیں؟"
"بیٹے، وجہ یہ ہے کہ مونچھیں سر کے بالوں سے تقریباً بیس سال بعد پیدا ہوئی تھیں۔

" منے، تمھارے سالانہ امتحانات ختم ہو گئے، نتیجہ نکل آیا، لیکن تم نے بتایا ابھی نہیں۔"
" ابو، اس لیے نہیں بتایا کہ مجھے نئی کتابوں کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

پرندوں کی دُنیا

علی اسد

انسان کا پرندوں کے ساتھ بڑا قدیمی اور قریبی تعلق ہے۔ انسان اور پرندے دونوں دن میں زیادہ تر مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ لہٰذا دونوں رنگ و آہنگ کی ایک جانی پہچانی دنیا سے لُطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ پرانے زمانے میں بُت پرستوں کا خیال تھا کہ پرندوں کی پرواز سے مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کی جاسکتی ہے۔ پھر سیکڑوں برس تک انسان نے پرندوں کی پرواز کی نقل کرنے کی بھی کوششیں کیں۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کیا کہ مصنوعی پَر بنا کر اپنے بازوؤں پر چپکا لیے۔ بہرحال یوں تو آدمی نے ہوا میں اُڑنا سیکھ لیا ہے، مگر جن بھاری بھر کم مشینوں کے ذریعے سے وہ ہوا میں اڑتا ہے وہ پرندوں کی پرواز کے مقابلے میں ہر لحاظ سے حقیر ہیں، کیوں کہ ان میں نہ تو وہ پھُرتی ہے نہ وہ شان اور نہ وہ لوچ دلچک ہے، نہ وہ اُڑان۔

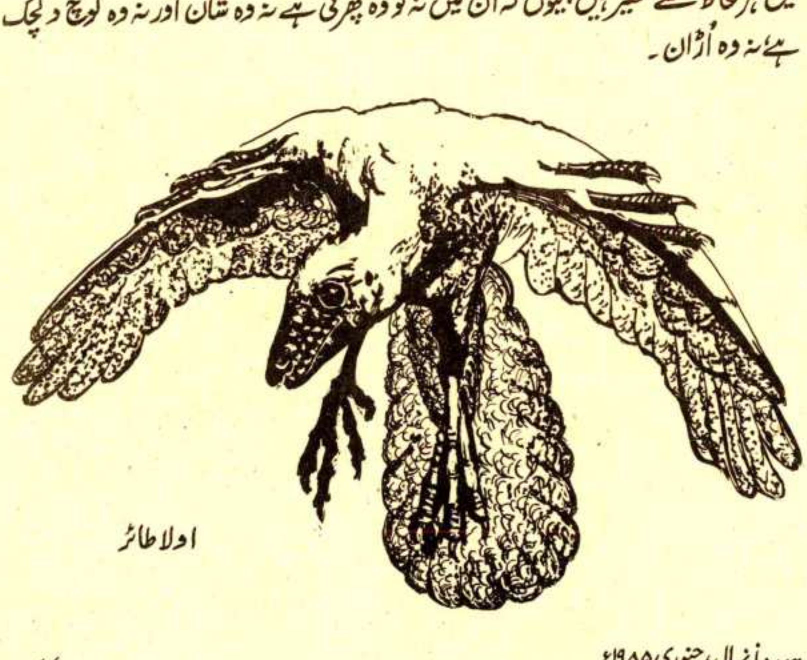

اولا طائر

پرندے ہزاروں سال سے انسان کی مدد کرتے چلے آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مرغابیوں کے شور و غل کی بہ دولت شہر روم اچانک حملے سے بال بال بچ گیا تھا۔ آج بھی بلبلِ زرد یا قناری (CANARY) آگاہ کر دیتی ہے کہ کوئلے کی کانوں میں میتھین گیس (METHANE GAS) ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پرندے انسانوں کو مختلف طریقوں سے متاثر کرتے رہتے ہیں۔ ان کو محض شکار سمجھنا یا گھر کی رونق بڑھانے کے لیے پنجروں میں بند کر لینا کافی نہیں۔ پرندے اس سے کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

سوال ہو سکتا ہے کہ آخر پرندے کس قِسم کی مخلوق ہیں؟ اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ مچھلیوں کے سوا تمام اعلا قسم کے حیوانات میں یہ سب سے زیادہ خوب صورت اور مقبول ہیں اور ان کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے۔ پرندے دنیا میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں یعنی قطب شمالی سے لے کر اینٹار کٹیکا (ANTARCTICA) کے کنارے تک۔ اسی طرح شہر ہوں یا پہاڑ، گھنے جنگلات ہوں یا سمندر، پرندے ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ سو برس پہلے تک پرندوں کو "شان دار رینگنے والے جانور" کے لقب سے سرفراز کیا جاتا تھا اور یہ بات کسی حد تک درست بھی تھی، کیوں کہ ابتدائی پرندے رینگنے والے جانوروں کی طرح تھے، مگر ان کے پَر بھی تھے اور انھی پَروں کی وجہ سے پرندوں کو دوسرے جانوروں سے الگ پہچانا جاتا ہے۔ یوں تو دنیا میں جان دار چیزیں دو ہزار ملین برسوں سے بھی پہلے سے موجود ہیں، لیکن پرندے اتنے پرانے نہیں۔ جانوروں کے جو سانچے پتھروں اور مٹی میں پائے گئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا پرندہ تقریباً ایک سو چالیس ملین برس قبل موجود تھا۔ اس پرندے کو اُولا طائر (ARCHAEOPTERYX) کہتے تھے۔ یہ بالکل رینگنے والے جانوروں کی طرح تھا، مگر اس کے پَر بھی تھے۔ دراصل یہ رینگنے والے جانوروں اور پرندوں کی درمیانی شکل تھی۔ اس کا سَر چھپکلی کی طرح تھا۔ اس کے جبڑوں میں دانت تھے۔ اس کی دُم مگر مچھ کی طرح تھی، لیکن اس کے پَر بھی تھے۔ یہ ایک تیتر کے برابر تھا اور بڑی مشکل سے اُڑ پاتا تھا۔

اُولا طائر کو پرندوں کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ یعنی جتنے پرندے دنیا میں ہیں وہ سب اسی کی نسل سے ہیں۔ رفتہ رفتہ پھر اصلی پرندے پیدا ہونے لگے اور ان کی تعداد بڑھتی

گئی۔ ان پرندوں کو نوٹیوُر (NEORINTHES) کہتے ہیں۔ ان ہی میں ہسپرورنس (HESPERORNIS) شامل تھا۔ یہ چار پانچ فیٹ لمبا پرندہ تھا۔ اسی طرح اکتھیونس (ICHTHYONIS) تھا۔ یہ چھوٹا تھا۔ یہ پرندے اب نہیں ہیں۔ ان کو ختم ہوتے بھی لاکھوں برس ہوگئے۔ آج جو پرندے ہیں وہ پہلے کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ ماہرین ان کو ستائیس بڑے بڑے گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ہر گروہ میں بہت سی اقسام ہوتی ہیں۔ قدیمی پرندے بدلتے ہوئے حالات سے خود کو ہم آہنگ نہیں کر پاتے، مگر ان ہی کے دوسرے ترقی یافتہ رشتے دار اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ آج جو آٹھ ہزار چھے سو قسموں کے پرندے دنیا میں موجود ہیں اُن کی مثال بالکل اُس درخت کی سی ہے جس کی بعض شاخیں تو اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ خود ان کی ٹہنیاں نکل آتی ہیں اور بعض شاخیں ایسی ہوتی ہیں جو سُوکھ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ چند صدیوں پہلے دنیا میں شتر مرغ سے بھی بڑے پرندے موجود تھے۔ ان ہی میں نیوزی لینڈ کا پرندہ (MOA) بھی

تھا جو بارہ فیٹ لمبا تھا اور اس کا وزن پانچ سو بیس پاؤنڈ تھا۔ اسی طرح ایک پرندہ تھا جس کو ہاتھی پرندہ (ELEPHANT-BIRD) کہا جاتا ہے، یہ اور بھی بڑا تھا جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے۔ اس کا وزن تقریباً آدھے ٹن کے برابر ہوتا تھا۔

حالات کے بدلنے کی وجہ سے شتر مرغ اُڑنے کی صلاحیت سے محروم ہو گیا۔ ہرن اور زیبرا کی صحبت میں شتر مُرغ نے بھی افریقہ کے سبزہ زار میں چرنا چگنا شروع کر دیا، لیکن شاید طاقتِ پرواز سے محروم ہو جانے کی وجہ سے شتر مُرغ نے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا۔ چناں چہ وہ پینتیس میل فی گھنٹے کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ جنوبی امریکا میں ایک پرندہ ہوتا ہے جس کو امریکی شُتر مرغ (RHEA) کہتے ہیں۔ یہ شتر مرغ سے بہت ملتا جُلتا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اس کے پَر شتر مُرغ کی طرح سے شان دار نہیں ہیں۔ اوسٹریلیا میں بھی شُتر مرغ کی طرح کے پرندے ہیں، جن کو پیل مُرغ (CASSOWARY) اور اوسٹریلیوی شتر مرغ (EMU) کہتے ہیں، مگر وہ بھی شتر مرغ کی طرح خوب صورت نہیں۔ البتہ وہ کیوی (KIWI) کی طرح بد شکل بھی نہیں ہیں۔ دنیا میں کوئی پرندہ اتنا عجیب و غریب نہیں جتنا کہ کیوی۔ اس کے پَر اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ نہ ہونے کے برابر۔ پھر وہ اتنے باریک اور کُھردرے ہوتے ہیں کہ پرندہ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے فُٹ بال کے پَر نکل آئے ہوں۔

امریکی شتر مرغ

پرندوں نے اپنے آپ کو حالات کے مطابق جس طرح ڈھال لیا ہے، اس کی بہترین مثال لمبی ٹانگوں والے پرندوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً سارس، بگلا وغیرہ۔ اس طرح کے پرندوں کی ایک سو بیس قسمیں ہیں۔ ان سب کی ٹانگیں لمبی اور پتلی ہوتی ہیں، تاکہ وہ پانی میں چل پھر سکیں۔ ان کی گردنیں بھی لمبی ہوتی ہیں۔ یہ مچھلی، مینڈک اور اسی طرح کے جانوروں کو کھاتے ہیں۔

شکاری پرندوں کی جسمانی بناوٹ سے بھی ان کے رہن سہن اور عادتوں کا پتا چلتا ہے۔ اس قسم کے پرندوں میں باز، گدھ اور عقاب وغیرہ شامل ہیں۔ یہ نہایت تیزی سے اُڑتے ہیں اور اپنے شکار پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ مرغی سے ملتے جلتے پرندوں کی ٹانگیں بھی مضبوط ہوتی ہیں، مگر اس کے علاوہ ان میں اور شکاری پرندوں میں اور کوئی مماثلت نہیں۔

دنیا میں کتنے پرندے ہیں؟ ایک اندازے کے مطابق دنیا میں تقریباً ایک لاکھ ملین پرندے ہیں۔ ان میں سمندری پرندے کتنے ہیں؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ دنیا میں سمندری پرندوں کی سب سے بڑی تعداد آسٹریلیا کے ساحل سے کچھ دُور دیکھی گئی ہے۔

پرندوں کی تباہی شکاریوں کی وجہ سے نہیں ہوتی جیسا کہ عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ ان کی تباہی کا سب سے بڑا سبب فاقہ زدگی ہے، یعنی کھانے کو نہ ملنا۔ جب کسی قسم کے پرندوں کو ان مقامات پر ان کی پسندیدہ غذا نہیں ملتی تو پھر پرندے وہاں سے غائب ہو جاتے ہیں، لیکن اگر انسان ان کی غذا کا اہتمام کر دیتا ہے تو پھر وہ رہ جاتے ہیں اور جب غذا کی فراوانی ہوتی ہے تو پرندوں کی تعداد بے حد بڑھ جاتی ہے۔

بعض نونہال اپنے خط میں، مضمون یا کہانی وغیرہ پر اپنا پتا نہیں لکھتے۔ یاد رکھیے، جب بھی آپ کسی کو خط لکھیں اپنا پتا ضرور لکھیں۔ یہ نہ سوچیے کہ آپ کا پتا جس کو خط لکھ رہے ہیں اُس کے پاس محفوظ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کا پتا کھو گیا ہو، یا جواب دیتے وقت اس کو نہیں ملے۔ اگر آپ اپنے کسی عزیز کو بھی خط لکھ رہے ہوں تب بھی اپنا نام اور پتا ہر خط میں ضرور لکھ دیا کیجیے۔ یہ عادت بنا لیجیے کہ جب بھی خط لکھنے بیٹھیں تاریخ اور پتا پہلے لکھ دیں۔
ہمدرد نونہال کے لیے بھی آپ جو چیز بھیجیں اس پر اپنا نام اور پورا پتا ضرور لکھ دیا کیجیے۔

مُسکراتے رہو

✖ ایک عورت کے بال بہت بڑے، گھنے اور بہت ہی خوب صورت تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنی سہیلیوں سے ملنے گئی۔ اُس وقت اس نے بال گوندھے ہوئے تھے۔ کسی سہیلی نے کہا کہ تم ان کو کھول کر رکھا کرو، کھلے ہوئے بال بہت اچھے لگتے ہیں۔ پھر ایک دن وہ عورت کسی دعوت میں گئی۔ اس وقت اس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ ایک عورت نے اس سے کہا کہ تم چوٹی باندھا کرو، کھلے ہوئے بال اچھے نہیں لگتے۔ اُس عورت کو بہت غصّہ آیا اور اس نے بڑی بیزاری سے کہا کہ کوئی کہتا ہے کہ بال باندھا کرو اور کوئی کہتا ہے کہ بال کھول کر رکھا کرو، اس سے تو اچھا ہے کہ میں یہ دِگ ہی اُتار دوں۔

مرسلہ: منصورہ، روہڑی

✖ پہلا دوست: میرے نانا کو مرے ہوئے پندرہ سال ہو چکے ہیں، لیکن مجھے ابھی تک ان کی شکل یاد ہے۔

دوسرا دوست: تو کیا ہوا جب میری نانی مرجائیں گی تو مجھے بھی اُن کی شکل یاد رہے گی۔

مرسلہ: سید نوید احمد، کراچی

✖ ایک دفعہ ملّا نصرالدین نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص انھیں ایک ایک رُپے کے نوٹ دے رہا ہے۔ اس شخص نے نو رُپے دے کر ہاتھ روک لیا۔ ملّا نے کہا، "ایک رُپیہ اور دو، تاکہ دس ہو جائیں"، لیکن وہ نو سے زیادہ دینے پر تیار نہیں ہوا۔ آخر بحث کرتے کرتے ملّا کی آنکھ کُھل گئی۔ انھوں نے سوچا کہ ۹ بھی گئے، اس لیے انھوں نے فوراً آنکھیں بند کرلیں اور کہنے لگے، "چلو نو ہی دے دو"۔

مرسلہ: انور تقی، کراچی

✖ کنجوس باپ: کیوں بیٹا! ایک کپ آئس کریم اور کھاؤ گے؟

بیٹا: "لیکن ابّا جان، اس سے پہلے تو میں نے آئس کریم نہیں کھائی"۔

کنجوس باپ: بیٹا، تم بھول گئے۔ پچھلے سال ہم نے اسی جگہ ایک ایک کپ آئس کریم کھائی

تھی۔" مرسلہ: معین الدین، کراچی

✖ ڈاکٹر: "فکر نہ کرو، میں ایسی دوا دے رہا ہوں کہ تم بالکل جوان ہو جاؤ گے۔"

بوڑھا مریض: مگر پھر مجھے پنشن کون دے گا۔

مرسلہ: وجیہہ عبدالجبار علی، کراچی

✖ ایک عورت عدالت میں طلاق لینے آئی۔ اس نے جھلا کر جج سے کہا، "میرا شوہر گھڑ دوڑ کا بہت رسیا ہے۔ ریس کورس وہ واحد جگہ ہے جہاں وہ جانا پسند کرتا ہے۔ اس کے دماغ میں گھوڑے بھرے ہیں۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں کہ ہماری شادی کس دن ہوئی تھی۔"

شوہر جلدی سے بولا، "کیوں یاد نہیں، ہماری شادی اس دن ہوئی تھی جس دن لکو نے ڈربی ریس جیتی تھی۔"

مرسلہ: شہباز احمد، کراچی

✖ سپاہی اپنی ماں سے جنگ میں ہونے والی گولہ باری کا ذکر کر رہا تھا۔ ماں نے سب کچھ سن لینے کے بعد کہا، "بیٹا، تم بھاگ کر کسی درخت پر کیوں نہیں چڑھ گئے؟"

"درخت تو پہلے ہی افسروں کے لیے کم پڑ رہے تھے۔" سپاہی نے جواب دیا۔

مرسلہ: طلعت خورشید، کراچی

✖ ایک دوست: رات کو میں نے ایک خوف ناک خواب دیکھا۔ میں بس میں سفر کر رہا تھا کہ بس اُلٹ گئی۔

دوسرا دوست: کوئی مرا تو نہیں؟

پہلا دوست: میرے سوا سب مر گئے۔

دوسرا دوست: مگر تم کس طرح بچ گئے؟

پہلا دوست: بس مرنے ہی والا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ مرسلہ: فاروق ندیم رحمانی، میاں چنوں

✖ استاد: (شاگرد سے) اگر تمھارے پاس چار کیلے ہوں اور تمھارے چار دوست آ جائیں تو تم کیا کرو گے؟

شاگرد: جناب، میں ان کے جانے کا انتظار کروں گا۔ مرسلہ: ریحانہ صدیقی، کراچی

✖ استاد: (شاگرد سے) لطیفہ کسے کہتے ہیں؟

شاگرد: (دماغ پر زور دیتے ہوئے) جی میں سمجھ گیا، آپ شاید لطیف صاحب کی بہن کی بات کر رہے ہیں۔ مرسلہ: نازیہ فیض، حیدرآباد

✖ ایک دیہاتی برطانیہ سے واپس آکر اپنے ساتھیوں کو بتانے لگا، کہ وہاں کے لوگ بھی بڑے عجیب تھے۔ وہ میرے کمرے کا دروازہ پیٹتے اور شور مچاتے۔ وہ اتنا شور مچایا کرتے کہ مجھے اپنی بانسری کی آواز بھی سنائی نہ دیتی۔"

ساتھیوں نے پوچھا، "وہ کہتے کیا تھے؟"

دیہاتی بولا، "وہ کہتے تھے کہ خدا کے لیے ہمیں سونے دو۔"

مرسلہ: محمد اصغر ندیم، اوکاڑہ

اس شمارے کے مشکل الفاظ

نونہالوں کی خواہش پر ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا جا رہا ہے جس سے وہ لفظ اُردو میں آیا ہے۔ یہ اِشارے اس طرح لکھے ہوں گے:

ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، ا = اردو

دل دادہ: (ف) دِلْ دا دَہْ : شائق، پسند کرنے والا، عاشق۔

بتدریج: (ع) بہ تَدْ رِی جْ : آہستہ آہستہ، رفتہ رفتہ۔

ارتباط: (ع) اِرْتِ با طْ : میل جول، دوستی، ربط ضبط۔

ماہیت: (ع) ما ہی یَتْ : حقیقت، اصلیت۔

توازن: (ع) تَ وَا زُن : اعتدال، تناسب۔

بالا: (ف) بَا لَا : اوپر، بلند، اونچا، آگے۔

گدا: (ف) گَ دا : فقیر، بھکاری۔

فیض: (ع) فَیْض : فائدہ، بھلائی۔

ہادی: (ع) ہا دِ ی : رہنما، پیشوا، ہدایت کرنے والا۔

جفاکش: (ف) جَ فا کَش : محنتی، مشقت کرنے والا۔

گراں مایہ (ف) گِ را ں مَا یَہْ : بھاری، وزنی، بہت قیمتی، بیش بہا، بلند مرتبہ۔

بساط: (ع) بِسا طْ : بچھونا، حوصلہ، حیثیت، طاقت، قدرت، وہ کپڑا جو شطرنج کھیلنے کے لیے بچھایا جاتا ہے۔

تنسیخ: (ع) تَنْ سی خ : منسوخ کرنا، باطل قرار دینا، مسترد کرنا۔

فرحت: (ع) فَرْ حَت : خوشی، تفریح۔

میراث: (ع) مِی رَ اثْ : ورثہ، ترکہ۔

ممنون: (ع) مَم نُو ن : احسان مند، شکر گزار۔

سدا: (ہ) سَ دَ اْ : ہمیشہ

ذوالمنن: (ع) ذُل مِ نَنْ : احسان اور بخشش کرنے والا، خدا تعالیٰ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

اتالیق: (ع) اَ تا لِیق : ادب سکھانے والا استاد، جو گھر پر پڑھائے۔

قصد: (ع) قَصْ دْ : ارادہ، نیت، مطلب۔

مہ وش: (ف) مَہْ وَ ش : چاند جیسا، محبوب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

مسرور: (ع) مَسْ رُو رْ : خوش، شاد۔

زیرک: (ف) زِی رَکْ : دانا، دانش مند۔

شاد: (ف) شَا دْ : خوش، خرم۔

دلاور: (ف) دِ لا وَ ر : بہادر، شجاع

تقویت: (ع) تَقْ وِ یَتْ : طاقت، زور، مدد، تسکین، تسلّی۔

ارم: (ع) اِ رَ م : بہشت، شدّاد کی بہشت۔

بزمِ نونہال

* انکل آپ کو ۶۵ ویں سال گرہ مبارک۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ ہم بچّوں کا اتنا خیال کرتے ہیں۔ میں آپ کو کیا تحفہ دے سکتی ہوں۔ کہاں ایک محسنِ ملّت اور کہاں ایک بچی۔ پھر بھی میں آپ کو دعا کا نذرانہ پیش کر سکتی ہوں۔ میں نے جب ٹی وی پر آپ کی اتنی عزت دیکھی تو آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل آئے۔

اللہ آپ جیسے محسن کے دل میں مریضوں، بچّوں اور بڑوں سب کے لیے محبّت بڑھائے۔

اللہ ہمدرد فاؤنڈیشن کے کارکنان دن دوگنی رات چوگنی ترقی کریں اور ان کے دل ایمان داری سے لبریز ہو جائیں۔

اے اللہ ہم سب مسلمانوں کے دل میں پاکستان، اسلام اور قرآن کے لیے عقیدت پیدا کرے۔

صائمہ خالد، کراچی

* کہانیاں بہت عمدہ تھیں۔ لطیفے بور تھے۔ چالاک خرگوش بہت عمدہ کہانی ہے۔

الطاف حسین، کراچی

* نونہال کا خاص نمبر بہت عمدہ تھا اور اس ماہ کے نونہال میں لطیفے بہت اچھے تھے اور کہانیاں بھی بہت عمدہ تھیں، جن میں چالاک خرگوش، حرصو اور رحمو اور میسور کے جنگلوں میں، بہت پسند آئیں۔

سید عبید اللہ حسینی، کراچی

* نونہال ہمارا پسندیدہ رسالہ ہے خاص طور پر کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ جاگو جگاؤ بہت اچھا ہے۔ حکیم صاحب ہمیں بہت اہم باتیں بتا رہے ہیں ــــ رؤف اسلم آرائیں ڈگری نے جو لطیفہ بھیجا ہے وہ ماچس کی ڈبیا سے نقل شدہ ہے۔

شیر نبی خان، کراچی

* نومبر کے نونہال میں سب سے اچھی کہانی حرصو اور رحمو تھی۔

علی محمد ابراہیم، کراچی

* میں آپ سے سخت ناراض ہوں۔ میں آپ کو ہر دفعہ ایک پیارا سا خط لکھتی ہوں، مگر ہمیشہ مایوسی ہوتی ہے۔ میں پھر بھی مایوس نہیں ہوتی، کیوں کہ ایک مسلمان ہونے کے ناتے مایوسی گناہ ہے، اس وجہ سے پھر ہمت کر کے خط لکھ رہی ہوں۔

روبینہ کوثر، کراچی

* نونہال کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ یہ ایک کم قیمت والا ایک معلوماتی رسالہ ہے۔ جس میں بچّوں کے لیے سب کچھ موجود ہے۔

ریاض احمد شاہد، بہاول نگر

* ٹائیٹل اچھا تھا۔ سب سے پہلے تو جناب حکیم محمد سعید کے جاگو جگاؤ نے بہت متاثر کیا۔ پسندیدہ کہانیوں میں حرصو اور رحمو، چالاک خرگوش، پتھر دل، اخبارِ نونہال اور مسکراتے رہو بہت اچھی تھیں۔ ان کے علاوہ مضامین میں بچّوں کے اقبال ایک اچھا مضمون تھا۔ اسی کالم میں عبدالوکیل لاہور کی نظم "میری گڑیا" نقل شدہ تھی۔

قمر الزماں بٹ، فیصل آباد

> عبدالوکیل میاں کا نام ایک سال کے لیے "کالی فہرست" میں لکھ لیا گیا ہے۔

* اخبارِ نونہال بہت اچھا ہوتا ہے۔ اس دفعہ "پاک بھارت کرکٹ ایک نظر میں" بہت اچھا تھا۔ اس سے ہمیں معلومات بھی حاصل ہوتی ہے۔ لطیفے سوائے چند ایک کے باقی سب ٹھیک ہیں۔

انعام اللہ المحمود، اسلام آباد

* کیا میرے خط بہت لمبے ہوتے ہیں، جس لیے شائع نہیں کرتے یا پھر بتا دیں کہ آپ کیسے خط شائع کرتے ہیں۔ کیا صرف وہ جو تعریف سے بھرپور ہوں۔ تو لیں تعریف کر دیتے ہیں۔ نومبر کے رسالے کا ٹائیٹل بہت اچھا تھا۔ چالاک خرگوش کا سلسلہ بھی بہت اچھا ہے۔

تسلیم روبینہ، مظفر گڑھ

✻ نونہال کا خاص نمبر بہت عمدہ تھا اور اس ماہ کے نونہال میں لطیفے بور اور پرانے تھے۔ ہاں البتہ کہانیاں سب ہی بہت اچھی تھیں، جن میں خاص طور پر چالاک خرگوش، حرصو اور رحمو قابلِ ذکر ہیں۔

محمد علی ابوالحسن، کراچی

✻ جناب ڈاکٹر اطہر پرویز کے مضمون "بچّوں کے اقبال" نے بہت متاثر کیا۔ مضمون "پاک بھارت کرکٹ ایک نظر میں" خاصا اچھا تھا۔ اس مضمون کی طرح آپ پاکستان کا دورہ کرنے والی ہر کرکٹ ٹیم کا جائزہ دیا کریں تو بہت اچھا ہے۔ لطیفے بھی بہترین تھے۔ مگر تحفوں میں کوئی خاص لطف نہیں آیا۔

ندیم احمد خان زادہ، سکرنڈ

✻ نومبر کا نونہال کوئی خاص نہیں تھا۔ "بچّوں کے لیے چند نصیحتیں" اور "پاک بھارت کرکٹ ایک نظر میں" قابلِ ستائش تھیں۔ آپ پاکستان کے مقبول ترین کھیل کرکٹ کے بارے میں ہر ماہ کوئی نہ کوئی مواد ضرور شائع فرمایا کریں۔

پرنس افضل شاہین، بہاول نگر

✻ میں چوتھی جماعت سے نونہال پڑھتی آرہی ہوں۔ جب کہ اب میں تیرھویں جماعت میں زیرِ تعلیم ہوں۔ یہ رسالہ بچّوں کے علاوہ بڑوں کے لیے بھی بڑی دل چسپیاں لاتا ہے۔

آسیہ خان، کراچی

✻ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے، لیکن اب اس کا معیار کبھی گر جاتا ہے، پھر بھی آج کل کے اور رسالوں کے مقابلے میں اس کا معیار بہت بلند ہے۔ نومبر کے نونہال میں چالاک خرگوش، بزدل اور تحفے بہت پسند آئے۔ باقی سب چیزیں بھی اچھی تھیں، لیکن ہنسو بچو ہنسو کے لطیفے پرانے تھے۔

وجیہہ شیریں، کراچی

✻ میں آپ کو سال گرہ کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ جس مہینے میں ایک محسنِ ملت پیدا ہوا اس مہینے میں میں بھی پیدا ہوا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ اس محسن کی زندگی بہت لمبی کردے تاکہ یہ زندہ رہ کر ملک و قوم کی خدمت کرے۔ میں آپ کو سال گرہ کے تحفے میں کیا دے سکتا ہوں، صرف ایک دعا ہی دے سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں بچّوں کے لیے اور بھی زیادہ پیار پیدا کرے اور ہمیشہ آپ کو خوش و خرم رکھے اور آپ اسی طرح ہزار مریضوں اور دُکھیارے لوگوں کا سہارا بنے رہیں۔

عدنان خالد، کراچی

✻ اکتوبر کا رسالہ علم کی روشنی اور خوش بُو سے منور تھا۔ کہانیوں کا تو جواب ہی نہ تھا۔ آپ کہانیوں میں اصلاحی پہلو کو اُجاگر کرنے کی زیادہ کوشش کیا کیجیے۔

راشد علی خان

✻ میں نونہال بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ آپ نے نونہال کی قیمت بڑھانے کا اعلان کیا تو آپ اس کی قیمت دس رُپے بھی کردیں تو بھی ہم اسے خریدنا نہیں چھوڑیں گے۔ آپ نے تو صرف ایک رُپیہ بڑھایا ہے۔ نومبر کا نونہال اپنی مثال آپ تھا۔ کہانیوں میں "حرصو اور رحمو" اور "بزدل" اچھی کہانیاں تھیں۔ کرشن چندر کی "چالاک خرگوش" بھی اچھی جارہی ہے۔

دلشاد ابراہیم، کراچی

✻ اکتوبر کا نونہال بہت شان دار تھا۔ اس کی تمام کہانیاں اور لطیفے مزے دار تھے۔ کہانیوں میں فقیر اور ہرن، "چالاک خرگوش" کی تیسری قسط اور آٹھواں بیٹا لاجواب تھیں۔ تحفے اور نونہال ادیب میں بھی بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ میری ایک چھوٹی بہن ہے جس کی عمر ڈیڑھ سال ہے کیا اس کی تصویر معہ پتہ نونہال میں شائع ہوجائے گی اور تصویر کس سائز کی اور رنگین یا سادہ ہونا چاہیے۔

محمد عدنان انعام، کراچی

بہن کی تصویر سادہ پاسپورٹ سائز کی ہو۔ اس میں کوئی اور چیز نہ ہو تو شائع ہوسکتی ہے۔

✻ اس ماہ کا نونہال بہت ہی شان دار تھا۔ خاص کر "جاگو جگاؤ" اور "بچّوں کے لیے چند نصیحتیں" جو علامہ اقبال کی لکھی ہوئی نظم تھی۔ بہت ہی پسند آئی۔ ہماری دعا ہے کہ یہ رسالہ تاقیامت یونہی جگمگاتا رہے اور ہر ماہ ہمارے لیے ایک انوکھا تحفہ ثابت ہو۔

عالیہ نزہت، سکھر

✻ نونہال میں جاگو جگاؤ پڑھا یقین جانیں اتنا پسند آیا کہ فوراً خط لکھنے بیٹھ گئی۔ نونہال کے لیے آپ کی محنت اتنی پسند آئی ہے بیان سے باہر ہے۔ ہمارا نونہال ایک منفرد رسالہ ہے۔

سیدہ سعدیہ انجم عرف ستارہ، کراچی

* نومبر کا نونہال پسند آیا۔ آپ اگر نونہال کی قیمت ۱۰ روپے بھی کر دیں تو ہم اسے ضرور خرید نا پسند کریں گے۔ سلسلے وار کہانی چالاک خرگوش بہت ہی اچھی جا رہی ہے۔

مسعود مسرور گوندل، ملتان

* میں تقریباً تین سال سے نونہال کا مطالعہ کر رہا ہوں اور ہر بار یہ اپنے معیار کے مطابق پورا اُترا ہے۔ اس بار بھی نمبر لے گیا ہے۔ کہانیاں سب ہی مزے دار تھیں، مگر آپ نے بچوں کے اقبال کو نہایت جدت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جرمو اور رحمو، پتھر دل، اخبار نونہال، مسکراتے رہو اور نونہال ادیب میں ایک عظیم انسان اور سائنس سے متعلق گیلیلیو بہت پسند آئے۔

نعیم الرحمٰن خاں صابر، کراچی

* کہانیوں میں جرمو اور رحمو، پتھر دل، توتا کہانی، ٹیپو ر کے جنگلوں میں بہت پسند آئیں۔ نونہال ادیب بھی اچھے تھے، مگر ثروت جبیں کی کہانی "دل چسپ خواب" نقل شدہ تھی جو ۱۸ اپریل کے "جنگ" میں چھپ چکی ہے۔

عنبر حمید، صادق آباد

> ثروت جبیں! بیٹی، یہ کیا کیا؟

* آپ ہر ماہ نونہال میں ۱۰ سوال معلومات عامہ کے شائع کرتے ہیں۔ آپ ان سوالوں پر انعام رکھ دیں، یعنی اسے انعامی مقابلہ بنا دیں یا کوئی اور انعامی مقابلہ شروع کریں۔ اس طرح رسالہ نونہال بچوں کو اور زیادہ عزیز ہو جائے گا۔ آپ نے قیمت بڑھا کر اچھا کیا ہے، کیوں کہ مہنگائی کا زمانہ ہے۔

دلشاد احمد، میاں چنوں

> انعام کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ معلومات میں اضافہ، ذہانت کا امتحان اور نام چھپنا بھی تو انعام ہی ہیں۔ کبھی کبھی پیسے بھی مل جاتے ہیں۔ ہر کام پیسے کے لیے نہیں کرنا چاہیے۔

* اس بار لطیفے تو بہت ہی اچھے تھے۔ کہانیوں میں پتھر دل، مرغی آپا کی جلد بازی اور سلسلے وار کہانی چالاک خرگوش تو بہت ہی اچھی ہیں۔

روبینہ مریم مجاہد، شکار پور

* انکل، ہمیں آپ بھی اتنے ہی اچھے لگتے ہیں جتنا ہمیں اپنا نونہال اچھا لگتا ہے۔ نونہال ہمارے گھر میں ۲۵ سال سے پڑھا جا رہا ہے۔ پہلے میری باجیوں اور بھائی جان کے لیے آتا تھا اب میرے لیے آتا ہے۔ سب ہی اسے پڑھتے ہیں۔

محمد شفیق، قصور

* نونہال پڑھتے ہوئے تقریباً آٹھ سال ہو گئے ہیں۔ میں تقریباً پانچ سال سے نونہال جمع بھی کر رہا ہوں۔ اس میں بہت اچھی اور معیاری کہانیاں ہوتی ہیں۔ مجھے نیا سلسلہ "تحفے" بہت پسند ہے۔ "اخبار نونہال" بھی بہت پسند ہے۔ اس سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ سلسلے وار کہانیاں بھی بہت دل چسپ ہوتی ہیں۔

سہیل قمر انصاری، کراچی

* نومبر کا سرورق بہت اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح نصیحت آموز تھا۔ بچوں کے اقبال میں شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے بارے میں پڑھ کر ہماری معلومات میں اضافہ ہوا۔ کہانیوں میں جرمو اور رحمو اور پتھر دل بہت پسند آئیں۔ لطیفے کچھ پرانے تھے۔ سلسلے وار کہانی کوئی خاص نہیں۔ اگر جاسوسی ناول شروع کرتے تو بہتر تھا۔ باقی کہانیاں بھی اچھی تھیں۔

اشتیاق احمد صدیقی، کراچی

* نظمیں کاغذ سے اخبار تک، اقبال کے شاہین پسند آئیں اور بچوں کے اقبال، اسکواش کا کھیل بے حد پسند آئے۔ کیا میں کسی سندھی کہانی کا ترجمہ کر کے بھیج سکتا ہوں۔

شوکت علی، نوشہرہ

> ہاں ضرور، سندھی کہانی کا ترجمہ کر کے بھیجو، مگر شروع میں لکھ دینا کہ یہ سندھی سے ترجمہ ہے۔

* نونہال پاکستان کا سب سے سستا لیکن کوالٹی میں سب سے اعلا ہے جو ہمیں کم قیمت پر میسر ہے۔ اگر آپ نونہال کی قیمت پانچ رُپے بھی کر دیں تو ہمدرد نونہال سے ساتھ کبھی نہ چھوٹے گا۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ ہر سال نونہال کے قارئین کے لیے نت نئے تحائف دیتے رہیں۔ اس سے نونہال کی مقبولیت میں چار چاند لگ جائیں گے۔ انعامی مقابلے کا اعلان ہو گیا ہمیں امید نہ تھی کہ نونہال کے ہزاروں قارئین ہیں۔ ہمیں اب آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے کہ آپ ہمیں شاملِ محفل کیوں نہیں کرتے۔ ہمیں اب احساس ہوا ہے کہ واقعی آپ کے پاس ہر ماہ سیکڑوں خطوط جمع ہو جاتے ہیں۔

ایم ایس ناز، ایم این ناز، ایم اے ناز، فیصل آباد

* یہ پڑھ کر کہ آپ نئے سال کا تحفہ آٹو گراف بک کی صورت میں دے رہے ہیں، بے حد خوشی ہوئی۔

ذوالفقار احمد، کوٹڑی

* نونہال روز بہ روز ترقی کر رہا ہے۔ نونہال میں ہر مرتبہ دو یا اس سے زائد نقل شدہ کہانیاں شائع ہوتی ہیں، مگر میں مصنفوں کے نام نہیں لینا چاہتا۔ آئندہ سے وہ خبردار ہو جائیں اور احتیاط رکھیں۔ اعجاز احمد، ڈیرہ اسماعیل خان

* جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید صاحب کی نصیحت آموز باتیں بہت پسند آئیں۔ مجموعی طور پر تمام چیزیں بے مثال تھیں۔

سرفراز درّانی، راول پنڈی

* خیال کے پھول میں سب اقوال نئے اور سبق آموز تھے۔ نظم بچّوں کے لیے چند نصیحتیں بہت ہی پسند آئی۔ کہانیوں میں حرصو اور رحمو، پتھردل، میسور کے جنگلوں میں اور قسط وار کہانی چالاک خرگوش بہت دل چسپ تھیں۔ تحفے بھی شان دار تھے۔ لطیفے بھی نئے تھے۔ نونہال ادیب میں نظمیں کچھ خاص نہیں تھیں۔ البتہ کہانیوں میں دل چسپ خواب، ثروت جبیں کراچی، موٹی آپا کی جلد بازی، اتیالو، کراچی پسند آئیں۔ محمد اشفاق ناصر، غازی ہملٹ

* نومبر کے نونہال میں مضمون "پاک بھارت کرکٹ ایک نظر میں" پڑھا۔ اس میں بھارتی ٹیم کا کپتان وینو منکڈ کو بتایا ہے، جب کہ اُس وقت وینو منکڈ عام کھلاڑی کی حیثیت سے کھیل رہا تھا۔ اس وقت بھارتی ٹیم کے کپتان لالہ امرناتھ تھے جو آج کل پاکستان ٹی وی پر تبصرہ کرتے ہیں۔ شفاء اللہ بٹ، لاہور

* جاگو جگاؤ، پتھردل اور لطیفے بہت پسند آئے۔ بڑا افسوس ہوا کہ آپ نے کہانی حرصو اور رحمو میں "مہینہ" کے بجائے "مہینا" لکھ دیا۔ خیال رکھا کریں۔ محمد ساجد، مانسہرہ

> مہینا لکھنا بھی غلط نہیں ہے۔ دونوں طرح صحیح ہے۔

* نونہال میں ہر قسم کی معیاری تحریریں، کہانیاں، مضامین، شگوفے ہوتے ہیں۔ البتہ اسلامی واقعات کم ہوتے ہیں۔ معلومات عامہ کا سلسلہ نونہال کی جان ہے۔ تجویز یہ ہے کہ معلومات عامہ میں دس کے بجائے ہر مرتبہ پندرہ سوالات پوچھے جائیں۔ محمد رفیق صابری، سوڈی گوجر

> اچھا، لیجیے معلومات عامہ کے سوالات ۱۰ کے بجائے ۱۲ کر دیے۔

* یہ رسالہ آج کل کے دور میں بچّوں کے لیے ایک مصلح کا سا کام انجام دے رہا ہے اور بچّوں کی ذہنی تربیت میں ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس کی بہتری میں حکیم صاحب اور آپ کی کوششیں لائقِ تعریف ہیں۔

سید طٰہٰ کاظم، کراچی

* تصویروں اور کہانیوں کے بہترین انتخاب پر میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کریں۔ کرشن چندر کی کہانی جاری رکھیے۔ موسیٰ خان راحیل، کراچی

* مجھے ہمدرد نونہال سے بہت گہری دل چسپی ہے۔ میں یہ کبھی نہ سمجھوں گا کہ میری تحریر کبھی شائع ہی نہیں ہوگی۔ میں ان شاء اللہ ہمت، محنت اور شوق سے آگے بڑھنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ محنت کا پھل آج نہیں تو کل ضرور ملے گا۔ میں آپ کی نصیحت کے مطابق تعلیم کے ساتھ ساتھ رسالے کتابیں وغیرہ پڑھوں گا تاکہ اس سے میری اصلاح ہو سکے۔ میں کہانی، مضمون، نظم، تصویریں وغیرہ بھیجنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ آپ اس خط کا جواب نہ بھیجیں، کیوں کہ میں آپ کی مصروفیت میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا۔ جب میں آپ کو جواب دینے کے لیے لکھوں گا تب آپ جواب دیجیے گا۔

محمد اسلم، کراچی

> میاں اسلم! واہ وا، تم تو ماشاء اللہ بڑے عقل مند ہو اور ہمدرد بھی کہ دوسروں کی مصروفیت کا خیال رکھتے ہو۔ شاباش۔

* نونہال واقعی بچّوں کا ایک دل چسپ، معلوماتی اور سبق آموز رسالہ ہے۔ اس کی مثال ملک بھر میں کہیں نہیں ملتی۔ ہم اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ خصوصاً انکل حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ ہمیں بہت ہی پسند ہے۔ یہ بہت ہی سبق آموز ہوتا ہے۔

ارشاد حسین بخاری، ساجد علی بخاری، انوار مسعود صابر، بھکّر

* سرورق بہت ہی خوب صورت تھا۔ میں نونہال کا نیا پڑھنے والا ہوں۔ آپ مجھے بتائیے کہ آپ خاص نمبر ہر سال شائع کرتے ہیں؟

محمد حسین ابراہیم، کراچی

ارادہ تو یہی ہے کہ ہر سال خاص نمبر شائع کیا کریں گے۔

* ہمدرد نونہال کا جو معیار ہے وہ میں نے ابھی تک کسی رسالے میں نہیں پایا ہے، جسے بچّوں کے ساتھ ساتھ بڑے بھی ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور اس کی مزے دار کہانیوں سے لطف اندوز ہونے کے علاوہ حکیم صاحب کی فکر انگیز باتوں کو اپنی زندگی کا نصب العین بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمدرد نونہال کی ساکھ بچّوں کے تمام رسالوں میں سب سے بہتر بلکہ بہترین ہے۔ میں بھی کافی عرصے سے اس کو پڑھتا چلا آرہا ہوں اور آج بھی جب کہ میں بی اے کر چکا ہوں "ہمدرد نونہال" کا شدت سے انتظار کر رہا ہوں۔

تنویر احمد، کراچی

* نونہال کی تعریف کے الفاظ نہیں ملتے۔ پھر بھی میں ضرور کہوں گا کہ میں نے نونہال سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ خدا کرے کہ ہمدرد نونہال ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے اور ہمارے دلوں کے افق پر چاند کی طرح جگمگاتا رہے۔ ہمدرد نونہال کے خاص نمبر میں وہ سب کچھ تھا جو ایک اوّل درجے کے رسالے کی زینت ہوتا ہے۔

سید فرحت حسین جیلانی، کراچی

* میں ہمدرد نونہال بڑے شوق سے پڑھتی ہوں بخاص طور پر چالاک خرگوش والی کہانی مجھے بہت ہی پسند ہے۔ نومبر کے نونہال ادیب میں عبدالوکیل کی نظم میری گڑیا بچّوں کی ایک کتاب سے نقل کر کے بھیجی گئی ہے۔ حقیقت میں اس نظم کے شاعر کا نام عزیز الرحمٰن عزیز ہے۔

شہانہ یوسف، شگفتہ یوسف، کراچی

* نونہال سے لگاؤ کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارا تقریباً تمام خاندان طبیب ہے۔ نونہال میں چوں کہ طبی مواد بھی موجود ہوتا ہے لہٰذا دوسرے رسائل سے زیادہ اس پر توجہ دی جاتی ہے۔

ایم۔ اے خالد، لاہور

* نومبر کے رسالے میں محمد طاہر کی کہانی "تین بہرے ایک گونگا" پڑھ کر بڑا افسوس ہوا، کیوں کہ یہ نقل شدہ ہے۔ یہ مقبول جہانگیر صاحب کے ناول ایک گونگا تین بہرے سے نقل ہے۔ یہ ناول میرے پاس تھا اس لیے میں نے پہچان لیا۔

رجب علی بیگ، اٹک سٹی

محمد طاہر کی تحریر ایک سال تک نہیں چھپے گی۔

* نونہال میں عدنان بشیر، گوجرانوالہ کے مضمون سقراط کا اختتام کچھ اس طرح چھپا ہے: "سقراط کا زمانہ ۴۷۵ تا ۳۹۹ تھا۔ اس نے ۷۱ سال عمر پائی تھی۔ زمانہ ۴۷۵ تا ۳۹۹ تو ہو ہی نہیں سکتا، کیوں کہ وقت آگے چلتا ہے پیچھے نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کتابت کی غلطی سمجھتے ہوئے ۳۹۹ تا ۴۷۵ سمجھا جائے تو بھی ۷۱ سال کی عمر غلط ہے۔

فرحان رفیق سبحانی، کراچی۔ نوید احمد، سرگودھا

واقعی سقراط کی تاریخ پیدائش لکھنے میں عدنان بشیر سے غلطی ہوئی۔ سقراط ۴۷۰ قبل مسیح میں پیدا ہوا اور ۳۹۹ قبل مسیح میں اس نے انتقال کیا۔ اس طرح اس کی عمر ۷۱ سال ہوئی۔ زمانہ بے شک آگے چلتا ہے لیکن قبل مسیح کی تاریخیں اس طرح لکھی جاتی ہیں کہ وہ عام لحاظ سے اُلٹی معلوم ہوتی ہے۔ قبل مسیح سے مطلب ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (مسیح) سے پہلے۔ عیسوی سنہ سے پہلے کے واقعات کو بیان کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ فلاں واقعہ حضرت عیسیٰؑ سے اتنے سال پہلے ہوا۔ اور جب ہم اس طریقے سے کسی کی تاریخ پیدائش اور تاریخِ وفات لکھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ پیدائش کے سال زیادہ ہی ہوں گے۔ اسی سقراط کی مثال لے لیجیے۔ جب وہ پیدا ہوا تو حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کو ۴۷۰ سال باقی تھے اور جب ۷۱ سال بعد مُرا تو صرف ۳۹۹ سال رہ گئے تھے۔ کسی وقت اس بات کو اور وضاحت سے سمجھاؤں گا۔

* تمام کہانیاں بہترین تھیں۔ سرورق پسند آیا۔

ثمینہ اختر، ملتان

* آج تک نونہال میں میری کوئی بھی چیز شائع نہیں ہوئی۔ اگر اب شائع نہ ہوئی تو میں نونہال پڑھنا چھوڑ دوں گا۔

اعجاز احمد، ڈیرہ اسماعیل خاں

> اعجاز میاں، کوئی ۵-۶ لاکھ بچے بڑے ہمدرد نونہال پڑھتے ہیں۔ ہر ایک پڑھنے والے کی تحریر شائع کرنے کا طریقہ آپ ہی بتادیں۔

* میں نے اکتوبر اور نومبر کے شمارے ایک ساتھ پڑھے۔ دونوں شمارے اپنی مثال آپ تھے اور بہت پسند آئے۔ کہانیوں میں صرف چالاک خرگوش پسند ہے۔ نومبر کے نونہال ادیب میں خالدہ نسرین نے کرکٹ کے نام سے مضمون لکھا تھا اچھا تھا، مگر اس میں چند غلطیاں تھیں۔ ایک جگہ تحریر فرماتی ہیں کہ پہلے عالمی کپ میں پاکستان غرب الہند سے ایک رن سے ہارا تھا جو کہ غلط ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ پاکستان اس میچ میں ایک وکٹ سے ہارا تھا۔ ایک رن اور ایک وکٹ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک جگہ لکھتی ہیں کہ "ایک روزہ کرکٹ میں ایک اور ٹورنامنٹ "بینسن اینڈ ہیجز" ٹورنامنٹ ہوتا ہے جس میں پاکستان، غرب الہند اور آسٹریلیا کی ٹیمیں شرکت کرتی ہیں" جو کہ غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو ٹیمیں آسٹریلیا کے دورے پر جاتی ہیں تو ٹیسٹ میچوں کے بعد انھیں یہ ٹورنامنٹ کھیلنا پڑتا ہے جس میں ایک اضافی ٹیم کو کھیلنے کی دعوت دی جاتی ہے جو صرف اس ٹورنامنٹ میں حصہ لینے جاتی ہے۔ صرف ۸۰-۷۹ء میں ویسٹ انڈیز اور انگلینڈ، ۸۱-۸۰ء میں نیوزی لینڈ اور بھارت اور ۸۲-۸۱ء میں ویسٹ انڈیز اور پاکستان باقاعدہ آسٹریلیا کے دورے پر گئے تھے اور آسٹریلیا نے یکے بعد دیگرے دونوں سے ٹیسٹ سیریز کھیلی تھی۔ ورنہ ۸۳-۸۲ء میں انگلینڈ نے آسٹریلیا کا دورہ کیا تھا تو آسٹریلیا نے ٹیسٹ میچوں کے بعد نیوزی لینڈ کو محض ایک روزہ ٹورنامنٹ کے لیے انگلینڈ بلایا تھا اور نیوزی لینڈ سے ٹیسٹ میچ نہیں کھیلا تھا۔ اسی طرح ۸۴-۸۳ء میں پاکستان نے آسٹریلیا کا دورہ کیا تھا اور ایک روزہ ٹورنامنٹ کے لیے تیسری ٹیم ویسٹ انڈیز کی تھی جو محض ٹورنامنٹ میں شرکت کے لیے آئی تھی اور اب ۸۵-۸۴ء کے لیے ویسٹ انڈیز کو ٹیسٹ میچوں کے لیے دعوت دی گئی ہے اور ایک روزہ ٹورنامنٹ کے لیے تیسری ٹیم سری لنکا کی ہے جو بعد میں آسٹریلیا پہنچے گی۔ اس ساری وضاحت کی وجہ یہ ہے کہ اس ٹورنامنٹ میں صرف پاکستان، آسٹریلیا اور ویسٹ انڈیز ہی کی ٹیمیں شرکت نہیں کرتیں بلکہ دوسرے ملکوں کی ٹیمیں بھی شرکت کرتی ہیں امید ہے آپ تصحیح فرمادیں گے، تاکہ لوگوں تک صحیح معلومات پہنچے۔ علی عمران، حیدرآباد

* نومبر کے شمارے میں میسور کے جنگلوں میں کہانی میں صفحہ ۵ پر لکھا ہوا ہے کہ میں نے اس کو بیس روپے دیے تاکہ وہ دو بیل خرید لائے (یاد رہے کہ یہ ساٹھ سال پہلے کی بات ہے) اور آخر میں صفحہ ۴۶ پر لکھا ہوا ہے کہ شیرنی کی کھال بہت خوب صورت تھی جو بیس سال بعد آج بھی میرے ڈرائنگ روم کی زینت ہے۔ لہٰذا اس میں یہ غلطی ہے کہ پہلے بتایا کہ یہ واقعہ ساٹھ سال پہلے کا ہے اور ایک جگہ یہ بتایا کہ بیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ امید ہے آپ اپنی اس غلطی کو نوٹ کریں گے۔

امجد علی بھٹی، سکھر، یاسمین تبسم، کراچی

> ہاں، آپ دونوں نے بات تو مزے دار لکھی ہے، لیکن قصہ یہ ہے کہ جب مضمون نگار نے یہ خط لکھا تھا تو اس واقعے کو بیس سال ہوتے تھے، مگر جب عبدالمجید قریشی صاحب نے اس کو اردو میں لکھا تو زمانہ زیادہ گزر چکا تھا اور انھوں نے نونہالوں کو پچھلے زمانے کی قیمتیں سمجھانے کے لیے ساٹھ سال لکھ دیے۔

* سلسلے وار کہانی "چالاک خرگوش" میں خرگوش کی چالاکیوں سے دل پھڑک اٹھا۔ بچوں کے اقبال پڑھ کر بہت لطف آیا۔ کہانی حرصو اور دھمو بہت پسند آئی اور ہتھوڑل کا تو جواب ہی نہیں۔ جناب عبدالغنی شمس کی نظم اقبال کے شاہین بہت پسند آئی۔ لطیفے بہت پسند آئے۔

کلثوم محمد نذیر، سیال کوٹ

نونہال ادیب

حمد

مرسلہ: اشفاق حسین تقبر علی خاں

تُو ہے برتر تُو ہے بالا
تُو ہے اونچا تُو ہے اعلا
تُو نے ہی ہر چیز بنائی
اپنی قدرت ہمیں دکھائی
جنّ و بشر بھی تُو نے بنائے
شمس و قمر بھی تُو نے بنائے
شاہ و گدا کا ہے تُو آقا
سب کا مالک سب کا داتا

نعت

مرسلہ: محمد عثمان عبدالستار، کراچی

خدا بھی مہرباں اُس پر کہ جس پر مہرباں تم ہو
شہِ لولاک ہو محبوبِ ربِ دو جہاں تم ہو
تمھیں اللہ نے کس پیار سے قرآں میں فرمایا
کہیں یٰسیں، کہیں طٰہٰ، کہیں حق کی زباں تم ہو
تمھارے فیض سے سرسبز ہیں دنیا و دیں دونوں
گنہ گاروں کے ہادی، رحمتِ ہر انس و جاں تم ہو
تمھیں نے اصل میں انسان کو انساں بنایا ہے
زمینِ عظمتِ انسانیت کے آسماں تم ہو
سلام اے محسنِ انسانیتؐ! اے رحمتِ عالمؐ
شہِ دنیا و دیں ہو، رحمتِ کون و مکاں تم ہو

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

مرسلہ: سید مشتاق احمد شاہ، گوٹھ عبدالرحیم کرانی

- اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔
- تم جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرو۔
- نماز دین کا ستون ہے۔
- چغلی کھانے والا جنّت میں داخل نہیں ہو گا۔

✿ بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیے مفید ہو۔

✿ حلال روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔

✿ جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔

✿ جو شخص عہد کو پورا نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔

✿ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

✿ جنّت ماں کے قدموں تلے ہے۔

✿ پاکیزگی اور صفائی نصف ایمان ہے۔

✿ حیا ایمان کا حصّہ ہے۔

✿ تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو اچھے اخلاق والے ہیں۔

✿ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں دوزخی ہیں۔

✿ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

✿ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔

✿ روزہ آگ کے خلاف ڈھال ہے۔

✿ تم اہلِ زمین پر رحم کھاؤ، آسمان والا تم پر رحم کھائے گا۔

✿ جس شخص میں امانت داری نہیں اُس میں ایمان نہیں۔

ہمدرد نونہال، جنوری ۱۹۸۵ء

نیا سال آیا

مرسلہ: فیضان عارف، بہاولپور

مبارک ہو بچّو نیا سال آیا
پیامِ خلوص و وفا ساتھ لایا
ترانہ خوشی کا ہر انساں نے گایا
فضاؤں پہ خوشبوں کا اک رنگ چھایا
پیامِ محبّت ہر اک کو سنایا
مبارک ہو بچّو نیا سال آیا

ہم اپنے وطن کے جفاکش بنیں گے
ادا ملک و ملّت کا حق بھی کریں گے
صداقت کا ہم تو سدا دم بھریں گے
وطن کی حفاظت کی خاطر مریں گے
پیام اس کا سب کے دلوں کو ہے بھایا
مبارک ہو بچّو نیا سال آیا

رہِ حق میں ہر دم جییں گے، مریں گے
خدا کی ہمیشہ عبادت کریں گے
کسی سے نہ رب کے سوا ہم ڈریں گے
مرادوں کے گوہر سے دامن بھریں گے
انوکھا پیام اب کے جو ساتھ لایا
مبارک ہو بچّو نیا سال آیا

حُسنِ معاشرت

رفیق احمد، کراچی

اسلام ہر لحاظ سے ایک جامع اور منفرد قانون

اور ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں نشست و برخاست کے آداب بھی بتلائے گئے ہیں اور رہن سہن کے طور طریقے بھی سمجھائے گئے ہیں۔ انسانوں کا آپس میں مل جُل کر رہنا اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کو پورا کرنا "حسنِ مُعاشرت" کہلاتا ہے۔ اسلام میں وہ سارے آداب بتلائے گئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے معاشرے کو پاکیزہ اور اپنے گھروں کو "رشکِ جنت" بنا سکتے ہیں۔

حُسنِ معاشرت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگوں کی خطائیں معاف کیا کرو، نیکی بجالانے کی تاکید کیا کرو اور جاہلوں سے درگزر کیا کرو۔" یہی حُسنِ معاشرت ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق حُسنِ معاشرت کا خلاصہ یہ ہے:

بڑوں کا ادب کیا کرو، ان کا کہنا مانا کرو، چھوٹوں پر مہربانی اور شفقت کرو اور برابر والوں سے محبّت اور کرم سے پیش آتے رہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اچھا برتاؤ کیا ہے؟ تو آپؐ نے جواب دیا "جس نے تم سے تعلقات قطع کیے انھیں جوڑ لو اور جو تم پر زیادتی کرے اس کے ساتھ احسان کرو۔"

رہن سہن بہت وسیع موضوع ہے، لیکن اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کے اخلاق اچھے ہوں، شاکر اور صابر ہو، حیادار، باوقار اور سخی ہو۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی تھے۔ آپؐ کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے (ترجمہ) "اے رسولؐ! آپؐ اخلاق کے بلند ترین درجے پر فائز ہیں۔" آپؐ کی تمام زندگی مسلمانوں کے لیے مینارۂ نور اور مشعلِ راہ ہے۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر انسان خود کو اخلاق میں دوسروں سے برتر ثابت کر سکتا ہے۔ ایک مرتبہ قریش میں قحط پڑا، لوگ بھوکے مرنے لگے اور فاقہ کشی کا دور آیا تو آپ سے کسی نے غلّے کی درخواست کی اور مدد طلب کی۔ آپؐ کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو وہ کبھی نہیں مانتا، اس لیے کہ مکّے والوں نے ہر قسم کا ظلم آپؐ کے ساتھ کیا تھا، قتل کی کوشش کی تھی، پھر جلاوطن کر دیا تھا، پتّھر مار مار کر آپؐ کو لہولہان کر دیا تھا، غرض کہ آپؐ کی زندگی اجیرن کر دی تھی، لیکن آپؐ نے فوراً غلّہ مدینے بھجوا دیا اور لوگوں کو قحط سالی سے نجات دلائی۔ یہ آپؐ کے اخلاق اور حُسنِ معاشرت کی ایک ادنیٰ مثال ہے، جس کو بنی نوع انسان پیش کرنے سے قاصر ہے۔

عِلم

مرسلہ: رضوان الرحمن، کراچی

ہے ضروری عِلم حاصل کیجیے
علم دیں کو بھی نہ ہرگز بھولیے
علم ہی انسان کی ہے برتری
جہل تو ہے ایک مقام کم تری

ہو حصولِ علم مقصد صبح و شام
بس اسی صورت تمہارا ہوگا نام

مولانا محمد علی جوہر

انیس گل واسطی، کراچی

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

برصغیر کو ہمیشہ یہ اولیت حاصل رہی ہے کہ اس کی کوکھ میں جنم لینے والی اکثر ہستیاں ایسی گزری ہیں جنہوں نے اپنی تمام صلاحیتیں مسلم قوم کی فلاح و بہبود کے لیے صَرف کر دیں ایسی ہی شخصیات میں مولانا محمد علی جوہر بھی ہیں۔ آپ عزمِ صمیم کے ایسے پیکر تھے کہ آپ کے اٹل ارادوں کے باعث مخالف گروپ کے قدم اکھڑ گئے۔ آپ ہمارے رہنماؤں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ آپ کی ٹھوس شخصیت تھی کہ ایک انگریز مصنف اور مورخ "ایچ جی ویلز" کو یہ کہنا پڑا کہ

"محمد علی جوہر میکالے کا قلم، برک کی زبان اور نپولین کا دل ہیں۔"

آپ ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ اور آپ کے بھائی مولانا شوکت علی کی تربیت کی ذمے داری آپ کی والدہ بی اماں پر تھی۔ بی اماں جیسی شخصیات شاذو نادر ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ آپ نے اپنی بساط سے بھی زیادہ ان کی اچھی پرورش کی۔ مولانا محمد علی جوہر نے اپنی تعلیم مکمل کی اور سیاست میں حصّہ لینا شروع کیا۔ آپ نے اخبار "کامریڈ" نکالا جو انگریزی زبان میں تھا۔ یہ اتنے اعلیٰ پائے کا تھا کہ بڑے بڑے انگریز افسران بھی شوق سے پڑھتے تھے۔ آپ نے ایک اردو اخبار "ہمدرد" بھی نکالا جو آسمانِ صحافت پر ایک درخشندہ ستارہ بن کر اُبھرا۔

۱۹۱۱ء میں تنسیخ بنگال کا اعلان ہوا۔ عالمِ اسلام پر سیاہ بادل چھانے لگے۔ بلقان اور طرابلس کے درمیان جنگ ہوئی اور ترکی نے بھی انگلستان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ جنگ کا پانسا ترکی کے خلاف پلٹنے لگا دیگر ممالک کا مستقبل بھی تاریک نظر آنے لگا۔ اس وقت ترکی کی حیثیت ایک پٹے ہوئے مہرے کی سی تھی۔ چناں چہ برصغیر کے مسلمانوں میں خلافت کا تحفظ کرنے کے لیے بے چینی پیدا ہوئی۔ مولانا جوہر نے اپنے اخبارات کے کالم تحفظِ خلافت کے لیے وقف کر دیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اخبارات کی ضبطی ہوگئی اور شوکت علی و محمد علی کو قید میں ڈال دیا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں وہ رہا ہو گئے اور پھر اخبارات جاری کرنے لگے۔ آپ نے مولانا شوکت علی کے ساتھ مل کر تحریر و تقریر کے ذریعہ سے گوشے گوشے میں تحریکِ خلافت پہنچا دی۔ آپ اتنے مقبول ہو گئے کہ بچے بچے کی زبان پر یہ شعر تھا:

بولیں اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو
۱۹۳۱ء میں آپ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے۔ وہاں آپ نے جوشیلی تقریر کرتے ہوئے فرمایا:
"میں ایک غلام ملک میں مرنا پسند نہیں کروں گا۔"
چنانچہ یہ مردِ آہن اپنے قول میں صادق ہوا اور کچھ دن بعد وہیں لندن میں وفات پائی۔ آپ یروشلم میں بیت المقدس کے پاس مدفون ہیں۔

نوکر اور آقا

فاطمہ جمیل، کراچی

ایک ملک کا بادشاہ خود تو بہت رحم دل اور نیک تھا مگر اس کا بیٹا بہت بے رحم اور تلخ مزاج تھا۔ جب دیکھو غصّے میں تیوری چڑھائے نوکروں کو ڈانٹتا اور مارتا پیٹتا نظر آتا۔ بادشاہ کو اس بارے میں خبریں پہنچتیں تو اُسے بہت رنج ہوتا۔ بادشاہ شہزادے کو بہترا اشاروں میں سمجھاتا، مگر بیٹے پر ذرا بھی اثر نہ ہوتا۔

تھوڑے عرصے کے بعد شہزادے کے ہاں ایک بچّہ پیدا ہوا۔ اتفاق دیکھیے کہ اس کے خدمت گار کے گھر میں بھی عین اسی روز بچّہ پیدا ہوا۔ بادشاہ نے خدمت گار کے بچّے کو شہزادے کے بچّے کے ساتھ ایک ہی پلنگ پر لٹا دیا اور شہزادے کو بُلا کر کہا، "تم ان میں سے اپنا بچّہ پہچان لو۔" شہزادے نے دونوں بچّوں کو ایک جیسا دیکھ کر جواب دیا، "میں تو نہیں پہچان سکتا۔" باپ نے کہا، "کیا نوکر اور آقا میں کوئی فرق نہیں؟" شہزادے نے جواب دیا، "مجھے تو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔" باپ نے فرمایا، "بے شک کوئی فرق نہیں، جب خدا نے کوئی فرق نہیں رکھا تو تم کیوں فرق کرتے ہو؟"
شہزادہ یہ سُن کر شرمندہ ہو گیا۔ اُس کے بعد اس نے نوکروں پر کبھی سختی نہیں کی۔

ایک مسلمان بچّے کا گیت

مرسلہ: فرحت ایم یوسف ٹنڈو آدم

مسلمان کے گھر خدا نے اُتارا
بنایا ہمیں اُمّتِ مصطفےٰ کا

اطاعت ہے ماں باپ کی فرض ہم پر
کتابِ خدا بس ہماری ہے رہبر

نمازیں پڑھیں ہم کیوں نہ پنجگانہ
کیا فرض خالق نے سَر کو جھکانا

محبّت سے مل جُل کے سب کام کرنا
نصیحت ہے فرحت کی ہرگز نہ لڑنا

قومی زبان

روبینہ شکور، نواب شاہ

اپنے دورِ عروج میں مسلمانوں نے جب برصغیر پر قدم رکھا تو انھوں نے یہاں کی تمدّنی اور معاشرتی فضا

کو نہ صرف بدل دیا، بلکہ ایک نئی زبان کو وجود میں لانے کا بھی باعث بنے، جسے آج اردو کہا جاتا ہے۔ اردو ہمارے بزرگوں کی عظیم میراث ہے، جس کی حفاظت، ترقی اور فروغ ہمارے فرائض میں شامل ہے۔

ہم گھروں میں کوئی بھی زبان بولیں، اردو سے کنارہ کش نہیں ہو سکتے کہ یہ زبان ہمارے قومی اتحاد اور یک جہتی کی علامت ہے، کیوں کہ قیامِ پاکستان کے وقت قائدِاعظم نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو اور صرف اردو ہوگی، چناں چہ اسی وقت سے اردو تمام پاکستان کے علاقوں میں بہ خوبی پڑھی، بولی، سیکھی اور سمجھی جاتی ہے۔ اردو کوئی نئی زبان نہیں ہے۔ اس میں دنیا کی قدیم زبانوں مثلاً عربی، فارسی، سنسکرت، انگریزی وغیرہ کے علاوہ ترکی اور پرتگالی زبان کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ اس زبان میں نئے لفظوں کو اپنے اندر سمو لینے کی خاصیت موجود ہے۔ یہ لشکری زبان کہلاتی ہے، کیوں کہ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی "لشکر" کے ہیں۔

ہم جب اردو کو اپنی قومی زبان مانتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ ہم پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ ہم اس کے فروغ میں بھرپور حصہ لیں۔ آج کل عام رواج ہوگیا ہے کہ اچھی خاصی اردو بولتے بولتے ہم اُس میں بلاضرورت انگریزی کے الفاظ شامل کر دیتے ہیں۔ شاید لوگ اسے اپنی بڑائی سمجھتے ہیں، جب کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ آپ کسی بھی محفل میں چلے جائیں وہاں آپ کو ایسی ملی جُلی زبان سنائی دے گی۔ "اوہ گڈ بے بی!" "نائس بوائے!" "سویٹ ممّا!" "نو آنٹی! ایسی کوئی پرابلم نہیں!" "ہاؤ آر یو، گڈ باتے؟" وغیرہ وغیرہ اور اگر آپ کسی سے حال پوچھنے لگے تو لیجیے صاحب! اردو انگریزی کی کھچڑی پکنی شروع ہو گئی۔ اگر آپ اردو زبان میں مہذب گفت گو کرنا چاہیں گے تو کوئی آپ سے سیدھے منھ بات نہ کرے گا، لیکن اگر آپ نے کچھ رٹے رٹائے انگریزی اردو کے ملے جلے جملے بول لیے تو بھی واہ واہ ہو جائے گی۔ چاہے انگریزی پڑھنی بھی نہ آتی ہو۔

آپ خود غور کریں کہ ہمارے معاشرے کی حالت کتنی بگڑ چکی ہے۔ دنیا میں وہ قومیں ترقی کرتی ہیں جو اپنی تہذیب اور ثقافت کے لیے سردھڑ کی بازی لگاتی ہیں۔ دوسری قوموں کو دیکھیے۔ وہ لوگ ہمیشہ اپنی قومی زبان کو ہر زبان پر فوقیت دیتے ہیں اور اس کے فروغ کے لیے زیادہ سے زیادہ کوششیں کرتے ہیں۔ جو قومیں دوسروں کی نقل کرتی ہیں وہ اپنی تہذیب و ثقافت کو فراموش کر دیتی ہیں۔ وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔

دوسری زبانوں کی افادیت بھی اپنی جگہ ہے، لیکن قومی زبان پھر قومی زبان ہوتی ہے۔ ہم میں سے ہر اردو پڑھنے، بولنے اور لکھنے والے پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنی قومی زبان کی ترقی اور فروغ کے لیے جی جان سے کوشش کرے۔

ایسا نہ ہو کہ دوسروں کے سامنے تو اردو زبان پر زور دیں اور خود اس کو استعمال نہ کریں۔ پہلے

خود عمل کریں پھر دوسروں کو یہ بات سمجھائیں کہ اپنی زبان بولنے سے شان میں کمی نہیں آتی، بلکہ اس سے آپ کے سچّے پاکستانی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ اپنی زبان کو اپنائیں اور اُس کی حفاظت کریں تاکہ ہماری الگ پہچان ہو اور ہم اپنی قومی زبان سے پہچانے جائیں۔ اسی میں ہماری عزّت اور قوم کی عظمت ہے۔

دس کا نوٹ

نذیر احمد بلوچ، سکھر

میں اپنے کمرے میں بیٹھا نونہال پڑھنے میں مصروف تھا کہ دادا جان کی آواز سنائی دی: "نذیر بیٹے، ذرا دوڑ کر بازار سے پان تو لا دو۔" ہم اُٹھے اور بازار کی طرف چل پڑے۔ جب ہم گلی مُڑنے لگے تو ہمیں وہاں دس رُپے کا نوٹ پڑا ہوا ملا۔ ہم نے جلدی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور اُٹھا کر چلتے بنے۔ سارے راستے اُسے خرچ کرنے کے منصوبے بناتے ہوئے بازار پہنچ گئے۔ پان لے کر واپس روانہ ہوئے تو ہمیں جہاں سے دس رُپے ملے تھے، وہاں ایک مسکین سا لڑکا کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ ہم نے پوچھا کہ "بھائی، کیا ڈھونڈتے ہو؟"

وہ روتے ہوئے بولا کہ میری ماں بہت بیمار ہے، میں نے دس رُپے ادھار لیے تھے اور دوا لینے جا رہا تھا کہ وہ کہیں گر گئے۔ اب میں دوا کیسے لے کر جاؤں گا۔"

میں نے کہا کہ بھائی رؤ نہیں، یہ لو دس رُپے، یہ مجھے بازار جاتے ہوئے ملے تھے۔ وہ میری طرف ممنون نظروں سے دیکھتے ہوئے جلدی سے بازار کی طرف دوا خریدنے کے لیے چل پڑا۔ یقین کیجیے، مجھے اتنی خوشی دس رُپے ملنے پر نہیں ہوئی، جتنی واپس کرنے پر ہوتی۔"

ماں باپ

مرسلہ: محمد علی رحمانی، کراچی

بڑا اہم یہ ماں باپ کا فرض ہے
سدا اُن کا اولاد پہ قرض ہے

جسے باپ ماں کا سہارا ملا
بڑا اُس پہ احساں ہے اللہ کا

کہ وہ ہیں سزاوارِ صد احترام
نہیں ہے کوئی ان کا قائم مقام

اگر باپ اور ماں کی شفقت ملی
سمجھ لو دو عالم کی دولت ملی

کبھی ماں نے آنکھوں کا تارا کہا
کبھی باپ نے میرا پیارا کہا

وہ جس کی بشارت حدیثوں میں ہے
وہ باغِ جناں ماں کے قدموں میں ہے

وہ نیکی جو خدمت ہے ماں باپ کی
ترازو ہے اس کی بڑے ناپ کی

کبھی اُن سے اُف تک نہ ہرگز کہو
خوشی سے ہر اک بات اُن کی سہو

ستاتے ہیں جو اپنے ماں باپ کو
وہ برباد کرتے ہیں خود آپ کو

علی کی دعا ہے کہ اے ذوالمنن
رہیں سر پہ ماں باپ سایہ فگن

ارسطو

عروج فاطمہ، حیدرآباد

ارسطو کو (۳۸۴ تا ۳۲۲ قبلِ مسیح) یونانی فلسفہ کی معراج قرار دیا جاتا ہے۔ وہ افلاطون کا شاگرد تھا اور سترہ سال کی عمر میں افلاطون کے اسکول میں داخل ہوا تھا۔ اس اسکول میں وہ طالب علم اور استاد کی حیثیت سے بیس سال تک کام کرتا رہا۔ ۳۴۳ ق م میں مقدونیہ کے شہنشاہ فِلپ نے اسے اپنے بیٹے سکندر کا اتالیق مقرر کیا۔ ۳۳۶ ق م میں وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے بعد ایتھنز واپس آیا اور فلسفے کا ایک اسکول قائم کیا۔ ارسطو نے افلاطون سے کہیں زیادہ کتابیں لکھیں، لیکن افسوس کہ ان میں سے بہت سی کتابیں نایاب ہیں۔ اس کی اعلا پائے کی کتابوں میں "اخلاقیات" اور "سیاسیات" اہم شمار کی جاتی ہیں۔ ارسطو کے مطابق انسان کا سب سے بڑا مقصد اپنی حقیقت کو پہچاننا ہے۔

اپنی تصنیف "سیاسیات" میں ارسطو نے ریاست کے ہر شعبے سے بحث کی ہے، مثلاً ریاست کی حقیقت، غلامی، تعلیم اور خاندان وغیرہ۔ اپنی تصنیف اخلاقیات میں اس نے اخلاقیات کے معیار کو واضح کیا ہے۔ اس کے مطابق انسان کی سب سے زیادہ بھلائی اس کے جسمانی اور دماغی حالات کے توازن میں مضمر ہے۔

ووٹ کا صحیح حق دار

معراج احمد صدیقی، کراچی

ہمارے حاکم میں یہ خوبیاں ہونی چاہییں: حضرت عمرؓ جیسا نڈر، جرات مند، انصاف پسند، حضرت صدیقؓ جیسا سچا، حضرت عثمان غنیؓ جیسا غنی، حضرت علیؓ جیسا کریم۔ جس میں ان لوگوں جیسی خوبیاں اور جھلک ہو وہ ہمارا حاکم ہو۔ سماجی کام کر چکا ہو اور سماجی کام بلا مفاد کرانا جانتا ہو اور معیارِ تعلیم پر نگاہ رکھے۔

یہ تو معلوم ہی ہے کہ علم کی شمع جس کے ہاتھ میں ہوگی وہی آگے بڑھے گا۔ اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ علم کی شمع ہمارے ہاتھ میں ہو۔ علم کی شمع ہم اس طرح حاصل کر سکتے ہیں کہ پانچویں تک سرکاری اسکول زیادہ سے زیادہ ہوں، تعلیم بھی مفت کی جائے، کتابیں کاپیاں بھی مفت ہوں، اس طرح غریب سے غریب بھی اپنے بچّوں کو پانچویں تک تعلیم کے زیور سے آراستہ کر سکے گا اور ملک سے جہالت ختم ہو جائے گی۔

ہمارا ملک ابھی تک غریب ہے۔ ہم قرضوں اور امداد پر زندہ ہیں۔ ہماری زمین، سونا اُگل رہی ہے۔ کیا وجہ ہے ہم غریب ملک کہلاتے ہیں، گیس، پیٹرول ہمارے پاس ہے۔ کھیتی باڑی سے بھی ضرورت کی چیزیں ملتی ہیں۔ اب حاکم ایسا ہو کہ وہ قرضہ لے نہ امداد۔ اس مہنگائی نے عورت کو بھی باہر نکلنے پر مجبور کر دیا ہے، جب کہ عورت کا صحیح مقام گھر ہے اور بچّوں کی صحیح نگہ داشت۔ مرد کا کام روزی کمانا ہے، عورت کا نہیں۔

ہمارا حاکم مہنگائی کے خلاف جدو جہد کرے۔ مثلاً جیسے جمعہ بازار، پیر بازار، منگل بازار۔ یہ غریبوں کے لیے لگتا ہے، مگر پردہ دار خاتون روزمرّہ کی آمدنی والے مزدور کو زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔ یہی رقم اگر روزمرہ کی چیزوں پر کم کر دی جائے تو مہنگائی بھی ختم ہو جائے اور ملک سے غربت بھی اور ہر ایک سکھ کا سانس لے۔

ہے کوئی جو مہنگائی ختم کر کے سُکھ کا سانس دلائے۔ یوم آزادی ۱۴۔ اگست کے بجائے رمضان کی ۲۷ ویں تاریخ کو منائے۔ جب یوم آزادی ۱۴۔ اگست کو مناتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم اب تک انگریزوں کے غلام ہیں۔

پہیلی

مرسلہ: محبوب الٰہی مخمور، کراچی

ہم نے دیکھا ہے اِک پودا
سب سے الگ اور سب سے انوکھا

باغ میں اس کا کام نہیں ہے
کھیت میں اس کا نام نہیں ہے

اتنی اونچی شاخ ہے اس کی
انسانوں کے منھ تک پہنچی

پانی دینے سے لہرائے
بھوک لگے تو آگ بھی کھائے

سب سے جُدا ہے اس کی نشانی
اوپر آگ اور نیچے پانی

جان اس کی اک بانس میں دیکھی
گُڑگُڑ اس کی سانس میں دیکھی

نکلا دھواں اِک سانس جو لے لی
بچّو بوجھو تم یہ پہیلی

جواب: حقّہ

ہماری توبہ

ارم رحیم، کراچی

ہماری چھٹیوں کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم پر ہزاروں کام تھوپ دیے گئے۔ مثلاً چاۓ بناؤ، بچّوں کو سنبھالو، اِدھر آؤ، اُدھر جاؤ، وہ اُٹھا کر لاؤ،

میرا جرنل بنا دو، میرے نوٹس لکھ دو، وغیرہ وغیرہ۔ آخر کیا کیا گنوائیں۔ آج ہم اپنے خالہ زاد بھائی ناصر کا جرنل بنا رہے تھے بایولوجی کا۔ جسے وہ امتحان سے چند دن پہلے گم کر چکے تھے اور اب نیا جرنل ہم سے بنوا رہے تھے، کیوں کہ ہم ہی سب سے زیادہ فارغ تھے اور اب ان صاحب کو پڑھنا تھا۔ ابھی ہم لکھنے کا قصد کر ہی رہے تھے کہ دُور سے ہماری باجی کی آواز آئی، "ارم، ذرا طاہر اور اعظم کو سنبھال لو، میں تھوڑی دیر کے لیے حیدری جا رہی ہوں۔" (اور یہ تھوڑی دیر کم از کم چار یا پانچ گھنٹے کی ہوتی ہے، کیوں کہ اکثر وہ وہاں سے اپنی سہیلیوں کے گھر چلی جایا کرتی تھیں طاہر اور اعظم ان کے بچّے تھے) سنا ہے بچّے پھول کی طرح ہوتے ہیں، لیکن یہ بچّے تو ہمیں کانٹوں سے بھی زیادہ چُبھتے تھے۔ وہ پیارے تو بہت تھے، لیکن شرارتوں میں دونوں کا جواب نہیں تھا۔ خیر، اللہ کا نام لے کر دونوں کو پاس بُلا کر بٹھایا اور یہ خیال کر کے کہانیاں سنانا شروع کیں کہ شاید یہ سو جائیں۔ آخر دس بیس کہانیاں سنانے کے بعد جو ہماری آنکھ کھلی (اس دوران ہم خود سو چکے تھے) تو دونوں کے دونوں ریڈ اِنڈینوں کی طرح سارے گھر میں دھما چوکڑی مچا رہے تھے۔ اعظم نے ابّو کا چشمہ پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں امّی کے پاؤڈر کا ڈبّا تھا۔ اب جو ہم نے دوسری طرف نظر دوڑائی تو یہ دیکھ کر ہم بھنّا کر رہ گئے کہ ہماری پیاری آٹوگراف بک کا تیا پانچا ہو چکا تھا اور ہمارا پیارا اور لاڈلا قلم سنک میں پڑا ڈبکیاں کھا رہا تھا۔ یہ کارنامہ طاہر صاحب نے سرانجام دیا تھا۔ اب تو ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ہم چنگھاڑتے ہوئے ان دونوں کے پاس پہنچے اور ان دونوں کو ایک ایک تمانچہ رسید کیا۔ اس کے بعد تو وہ ہنگامہ مچا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دی۔ وہ تو شکر ہوا کہ آس پاس کے گھر ذرا فاصلے پر تھے اور ان اِبلیسوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ خیر جناب کچھ دیر بعد جب معاملہ صاف ہوا تو انھوں نے ہم سے کہا کہ ہمیں ایک کھیل آتا ہے، ہم گاتے اور ناچتے ہوئے آپ کے گرد گھومیں گے اور ہمارے ہاتھ میں رسیاں ہوں گی جو ہم آپ کے گرد لپیٹتے جائیں گے اور پھر گرہ لگا کر پھر سے اسی طرح سے گھومتے ہوئے اور گاتے ہوئے کھول دیں گے۔ ہم بڑے خوش ہوئے کہ چلو ان کو کوئی تو اچھا اور شریفانہ کھیل آتا ہے۔ ہم بڑے مزے سے اسٹول پر بیٹھ گئے اور یہ دونوں ناچتے گاتے ہمارے گرد گھوم گھوم کر رسی لپیٹتے گئے، جب کس کے رسیاں باندھ چکے تو ہم نے کہا کہ چلو اب کھول دو، تو دونوں خبیثوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ سب سے اچھا حصّہ کھیل کا تو اب شروع ہوگا۔ یہ کہہ کر دونوں ریفریجریٹر کی طرف دوڑے اور انڈے، کیلے، ٹماٹر اور جام جیلی سے ہماری خاطر کی (مطلب یہ ہے کہ ہمارے سر پر مارے) اب ہم سچ مچ غصّہ میں آگئے، لیکن مرتے کیا نہ کرتے۔ ویسے ہی بیٹھنا پڑا اور جب سارے انڈے وغیرہ ختم ہو گئے تو ہم نے شکر ادا کیا، لیکن ابھی منھ سے الفاظ ادا ہوتے

بھی نہیں پائے تھے کہ بدبخت اپنی تین پہیوں والی چھوٹی چھوٹی سائیکلوں سے ہم پر ٹوٹ پڑے ۔ وہ اپنے کھیل میں مصروف تھے کہ فون کی گھنٹی بجی ۔ ہم جیسے تیسے کر کے فون کے پاس پہنچے ہی تھے کہ ڈارٹ والی پستول سے ہم پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ آخر ہم نے اپنے دانتوں سے فون کا ریسیور اٹھا کر میز پر رکھا اور کان لگایا تو باجی کی چہکتی ہوئی آواز آئی کہ "وہ ذرا میں اپنی دوست کے ہاں رات کا کھانا کھا کر آؤں گی ۔ بچوّں کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔" یہ سننے کے بعد ہم خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے اور بولے، "بچوّں کو تو خیر کسی چیز کی ضرورت نہیں لیکن ہمیں بے شک آپ کی مدد کی ضرورت ہے ۔" یہ کہتے ہی ہم نے فون کے بٹن منھ سے دبا دیے ۔ شاید باجی کو ہماری حالت پر رحم آ گیا اور وہ آدھے گھنٹے کے بعد ہی واپس آ گئیں، لیکن اس آدھے گھنٹے میں جو کچھ ہم پر بیتی وہ تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گا ۔

اس کے بعد سے ہم نے اُن بچوّں کے ساتھ اکیلے رہنے سے توبہ کر لی ۔

سچّی خوشی

شازیہ، کراچی

عادل آج بے حد خوش تھا۔ آج اُس کی برسوں پرانی خواہش کی تکمیل ہو رہی تھی اور وہ خواہش تھی سائیکل خریدنے کی۔ اس کو سائیکل چلانے کا شوق بہت عرصے سے تھا، لیکن اس نے کبھی اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے والدین سے نہیں کیا تھا، کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اس کے ابا کی اتنی استطاعت نہیں تھی ۔ ان کی آمدنی سے تو گھر کا خرچ اور عادل کی تعلیم کے اخراجات بھی مشکل سے پورے ہوتے تھے۔ وہ عادل کے لیے سائیکل کہاں سے لاتے ، لیکن عادل نے سائیکل خریدنے کی کوشش جاری رکھی، جب سے اس کے دل میں یہ خواہش جاگی تھی اس نے اپنا جیب خرچ جمع کرنا شروع کر دیا تھا اور عید، شب برات اور دوسرے موقعوں پر ملنے والے رُپے بھی بالکل خرچ نہ کرتا۔ اس طرح کچھ عرصے کے بعد اس کے پاس اتنے پیسے جمع ہو گئے کہ وہ سائیکل خرید سکے۔ آج وہ بہت خوش تھا۔ وہ بار بار اپنی جمع شدہ رقم کو دیکھتا اور مسکرا دیتا۔ اب اس کو شام کا انتظار تھا، تاکہ جب ابا گھر آئیں تو وہ ان کے ساتھ جا کر سائیکل خرید لائے، لیکن شام ہونے میں ابھی بہت دیر تھی ۔ عادل سے وقت گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ اچانک اُس کو خیال آیا کہ کیوں نہ وہ اپنے دوست جاوید سے ملنے چلا جائے ۔ اس طرح وقت اچھا گزر جائے گا۔ وہ اپنی امی سے

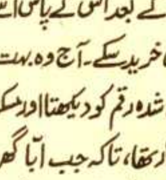

کہہ کر جاوید سے ملنے اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک چھوٹے سے مکان کے پاس ایک عورت کھڑی

رو رہی ہے اور ایک آدمی اس کا سامان باہر پھینک رہا ہے۔ عادل تیز تیز چلتا ہوا قریب پہنچا اور دریافت کرنے پر پتا چلا کہ وہ شخص مکان مالک ہے اور عورت اُس کی کرایہ دار ہے۔ اُس نے دو مہینوں سے کرایہ ادا نہیں کیا، اس لیے مکان مالک اس سے گھر خالی کرا رہا ہے۔ عادل نے عورت سے کرایہ نہ دینے کی وجہ پوچھی تو اُس نے روتے ہوئے بتایا کہ وہ بیوہ ہے اور اس کا کوئی سہارا نہیں۔ عادل کو یہ جان کر بہت دکھ ہوا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر مالک مکان سے کہا کہ وہ اُس عورت کا سامان واپس رکھ دے۔ وہ اس کا کرایہ دینے کے لیے تیار ہے۔ یہ کہہ کر وہ بغیر ایک لمحہ ضائع کیے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے اپنی جمع شدہ رقم نکالی اور پوری رقم مکان مالک کے حوالے کر دی۔ ابھی وہ واپس مڑنے ہی والا تھا کہ عورت نے اس کو کندھوں سے تھام لیا۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا، مگر الفاظ ادا نہ ہو سکے۔ عادل سمجھ گیا کہ عورت کی کیا کیفیت ہے۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔

عادل کو سائکل نہ خریدنے کا کوئی افسوس نہ تھا۔ اس کا دل خوشی سے مسرور تھا۔ اسے وہ خوشی ملی تھی جو دوسروں کی مدد کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

وہ اپنے آپ کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

ہمدرد نونہال، جنوری ۱۹۸۵ء

محبّت

مرسلہ: محمد ایاز، دولت نگر

اپنوں غیروں سے مل بیٹھو
حق کی بات اسی کو سمجھو
دنیا میں تم شان جو چاہو
اونچا نیچا سب کو دیکھو
جب دُکھیا کا درد سنو تب
اُس کی مدد کو فوراً پہنچو
جلدی میں کانٹے ہی کانٹے
کام کرو تو پہلے سوچو

درزی، لطیفے اور کوٹ

عطیہ عروج، کراچی

ایک درزی کپڑے چوری کرنے میں بڑا ماہر تھا۔ کوئی شخص اگر اسے کپڑے سینے کے لیے دیتا تو وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے کپڑا ضرور بچا لیتا۔ ایک روز ایک سپاہی نے شیخی بگھارتے ہوئے کہا، "درزی کی ایسی کی تیسی، مجھ سے زیادہ کون ہوشیار ہو سکتا ہے۔ میں کوٹ کا کپڑا لے کر اس کے پاس جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کپڑا کس طرح چُراتا ہے۔"

سپاہی نے درزی سے کہا، "میاں درزی، میں نے تمھاری دھوکے بازی کی بڑی شکایتیں سُنی ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ تم کسی نہ کسی بہانے لوگوں کا کپڑا چُرا لیتے

ہو اور معلوم تک ہونے نہیں دیتے، لیکن وہ کوئی اور ہوں گے جو تمھارے داؤ میں آجاتے ہیں۔ تم مجھ کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ میں کوٹ کے لیے کپڑا لایا ہوں تم میرے سامنے کاٹو، دیکھتا ہوں تم اس سے کپڑا کس طرح چُرا لیتے ہو۔"

درزی بڑا چالاک تھا۔ اس نے کہا، "بیٹھیے جناب، آپ سے کس کم بخت نے کہا ہے کہ میں کپڑا چُراتا ہوں۔ میری ساری عمر اس کام میں گزر گئی ہے۔ ایک گرہ کپڑا بھی میں حرام سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی بے وقوف ہو تو اسے دھوکا دے بھی دے، آپ جیسے زیرک اور دانا شخص کو مجھ جیسا آدمی کیسے دھوکا دے سکتا ہے۔"

سپاہی نے کہا، "اچھا تو یہ لو کپڑا اور کوٹ کے لیے میرے سامنے کپڑا کاٹو۔"

وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا اور نظریں درزی پر جما دیں۔ درزی بڑا مسخرہ تھا اور اسے لوگوں کو ہنسانے کے لیے سیکڑوں لطیفے یاد تھے۔ چناں چہ اس نے سپاہی کو لطیفے سنانے شروع کر دیے۔ درزی نے ایک ایسا لطیفہ سنایا کہ سپاہی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا اور تھوڑی دیر کے لیے پیٹ پکڑ کر جھک گیا۔ سپاہی کے نیچے جھکتے ہی درزی نے کوٹ کا دو گرہ کپڑا کاٹ لیا۔ سپاہی لطیفہ سُن کر اس قدر خوش ہوا کہ اس نے کہا، "ہاں خلیفہ، ایک لطیفہ اور ہو جائے۔"

درزی نے ایک لطیفہ اور سنایا۔ اس دفعہ بھی سپاہی اس قدر ہنسا کہ وہ منھ کے بل جھک گیا۔ درزی نے پھر کچھ کپڑا اور کاٹ لیا۔ سپاہی نے پھر اس سے لطیفہ سنانے کی فرمائش کی۔ اس پر درزی نے کہا، "لطیفہ تو سُنا سکتا ہوں، لیکن پھر آپ کا کوٹ بہت تنگ ہو جائے گا۔"

ہمدرد نونہال، جنوری ۱۹۸۵ء

کہانی کی کہانی

توبیہ نثار طالب بھوجانی، کراچی

میں نونہال بڑے شوق سے پڑھتی تھی۔ اس لیے گھر کے سب افراد مجھے چڑاتے تھے کہ نونہال اتنے شوق سے پڑھتی ہو کبھی کچھ شائع بھی ہوا ہے۔ میں کہتی کبھی نہ کبھی تو ہو ہی جائے گا۔ محنت کا پھل ایک دن میں تو نہیں ملتا۔ خیر صاحب، میں نے کہانی لکھنے کا ارادہ کر ہی لیا۔ کہانی لکھنا جتنا آسان سمجھتی تھی اتنا ہی مشکل نظر آیا۔ مجھے دن میں تارے نظر آگئے، کیوں کہ میں لفظ لکھتی اور صفحہ پھاڑ دیتی۔ ابھی کاغذوں کے پھاڑنے کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ باجی کمرے میں داخل ہوئیں اور کہا، توبی، کاغذ کی فصل اُگا رہی ہو کیا؟ میں نے جل کر کہا، ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ باجی جاتے ہوئے یہ کہہ گئیں، اگر کہانی لکھنی ہے تو پرانے رسالے میں سے نقل کر لو۔ میں نے اسی دن باجی کی تجویز پر عمل کیا۔ کہانی نقل کر کے ہمدرد نونہال کو بھیج دی، لیکن کچھ دنوں بعد مسعود احمد برکاتی صاحب کی طرف سے خط ملا، جس میں لکھا تھا:

"ہم نقل شدہ کہانیاں شائع نہیں کرتے۔ ادیب بننا ہے تو خوب محنت کرو۔ مشق کیے جاؤ گی تو ایک نہ ایک

دن اچھا لکھنے لگو گی۔"

اتفاق سے میرا یہ خط بھائی جان کے ہاتھ لگا تھا، پھر نہ پوچھیے میرے ساتھ کیا ہوا، لیکن میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ کسی کے مذاق سے مرعوب نہیں ہوں گی بلکہ مشق کیے جاؤں گی۔ محنت کے بعد ہی آدمی کو کوئی ہنر آتا ہے۔

ایک، دو، تین آنکھیں

مرسلہ: عقیبہ حسن، حیدرآباد

کسی ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس ملک میں ایک عورت رہتی تھی جس کی تین بیٹیاں تھیں۔ پہلی لڑکی کی ایک آنکھ تھی، دوسری کی تین آنکھیں اور تیسری کی دو آنکھیں تھیں۔ ان کی ماں دونوں بڑی بیٹیوں کو زیادہ چاہتی تھی اور چھوٹی بیٹی سے نفرت کرتی تھی۔ دونوں بڑی بیٹیوں کو اچھے اچھے کھانے کھلاتی، اچھے اور خوب صورت کپڑے پہننے کے لیے دیتی اور چھوٹی بیٹی کو روکھی سوکھی روٹی کھلاتی۔

ان کے محلّے میں ایک نیک دل عورت رہتی تھی۔ جس کی شہرت دور دور تک تھی۔ چھوٹی بیٹی اس نیک دل عورت کے پاس گئی اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ نیک دل عورت نے اُسے ایک بکری دی اور کہا کہ جو کچھ مانگو گی، یہ بکری تمھیں دے دے گی۔ وہ اس عورت سے بکری لے کر آگئی اور اسے جنگل میں ایک محفوظ جگہ پر باندھ دیا۔ اسے جب بھی بھوک لگتی وہ جنگل میں جاتی اور اس کی ماں کی دی ہوئی روکھی سوکھی روٹی پھینک دیتی اور بکری سے مزے مزے کی چیزیں مانگ کر کھا لیتی۔

اس کی ماں بڑی حیران تھی کہ میں تو اُسے رُوکھی سوکھی روٹی دیتی ہوں، پھر یہ اتنی تن درست کیسے ہوتی جا رہی ہے۔ اس راز کو جاننے کے لیے اس کی ماں نے اپنی سب سے بڑی بیٹی کو اس کے ساتھ بھیجا۔ وہ جب جنگل میں پہنچی تو بڑی بیٹی سو گئی، کیوں کہ اس کی ایک آنکھ دیکھتے دیکھتے تھک گئی تھی۔ چھوٹی بیٹی نے جلدی سے کھانا کھایا اور بڑی بہن کے ساتھ گھر آگئی۔ اُس کی ماں نے جب اس سے پوچھا تو اُس نے کہا "اماں وہ تو کچھ نہیں کھاتی۔" بڑی بیٹی کا جواب سُن کر ماں کو اطمینان نہیں ہوا۔ اس نے دوسری دفعہ اپنی دوسری بیٹی کو اس کے ساتھ بھیجا، جس کی تین آنکھیں تھیں۔ وہ جب جنگل پہنچی تو اس کی دو آنکھیں تھک گئیں۔ اس نے دو آنکھیں بند کر لیں اور تیسری آنکھ کھُلی رکھی۔ چھوٹی بہن نے جلدی سے کھانا کھایا، لیکن اس کی ایک آنکھ نے دیکھ لیا۔ وہ جب گھر پہنچی تو اس نے ماں کو سب کچھ بتا دیا۔ اُس کی ماں نے کہا، ہم بکری کا گوشت کھائیں گے۔

جب بکری ذبح ہو گئی تو چھوٹی لڑکی روتی ہوئی اُس نیک دل عورت کے پاس پہنچی اور سارا قصّہ سُنا دیا۔

اُس عورت نے کہا کہ تم اس بکری کا دل لے کر اپنے دروازے کے آگے دفن کر دینا۔ جب لڑکی گھر پہنچی تو اُس نے بکری کا دل لے کر اپنے دروازے کے آگے دفن کر دیا۔ دوسرے دن وہاں ایک درخت اُگا ہوا تھا۔ ایک روز وہاں سے اُس ملک کے شہزادے کا گزر ہوا۔ اس درخت کی ڈالیاں سونے کی تھیں اور پھل ہیرے کے تھے۔

شہزادے نے کہا "جو اس درخت کا پھل توڑ کر مجھے دے گا میں اس سے شادی کرلوں گا۔" سب سے بڑی بہن درخت پر چڑھی۔ وہ جتنا اوپر چڑھتی درخت کا پھل اس سے زیادہ اوپر ہو جاتا۔ پھر وہ تھک کر زمین پر گر پڑی۔ دوسری بہن کا بھی یہی حال ہوا۔ جب تیسری بہن چڑھی تو درخت کا پھل بہت نیچے ہو گیا۔ اُس نے درخت کا پھل توڑ کر شہزادے کو دے دیا اور شہزادے نے اُس سے شادی کرلی۔

ایک خوش گوار دن

مجیب ظفر انوار، کراچی

کتنے ہی عرصے سے میری آرزو تھی کہ میں بچّوں کے مشہور و معروف رسالے ہمدرد نونہال کے پُرشفیق اور ملنسار مدیرِ اعلا جناب مسعود احمد برکاتی سے ملاقات کروں مگر کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر میرا جانا نہ ہوتا تھا۔ ستمبر ۸۴ء کا خاص نمبر کیا نکلا کہ گویا اس خاص نمبر نے میرے جذبے کو اور بھڑکا دیا۔ بس پھر کیا تھا کھٹا کھٹ ٹیلے فون کھٹکایا گیا۔ برکاتی انکل سے ٹائم لیا اور مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء بروز بدھ کو دوپہر تین بجے پہنچ گیا، ہمدرد فاؤنڈیشن کی جدید عمارت میں۔ یہ عمارت اپنی خوب صورتی کا منھ بولتا ثبوت ہے۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ "نہ جانے برکاتی انکل عادت کے کیسے ہوں۔ کہیں مغرور نہ ہوں یا نہ ملنے کا بہانہ تراش دیں۔" مختلف خیالات میرے ذہن میں آرہے تھے۔ دوسری منزل پر پہنچتے ہی میں نے خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا اور اندر ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں مختلف شعبوں سے وابستہ افراد اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ سامنے ہی ہمدرد کی جدید لائبریری تھی۔ ایسی لائبریری کہ بس ایک نظر دیکھو اور دیکھتے ہی رہ جاؤ۔ میں نے ہمدرد کی جدید لائبریری کی سیر بھی کی اور اتنا لطف آیا کہ بیان سے باہر ہے۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی کہ میں ہال نما کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کی دیواروں پر خوب صورت پینٹنگز لگی ہوئی تھیں جن میں بوعلی سینا اور البیرونی کی تصاویر کو میں نے بہ خوبی پہچان لیا۔ کمرے کے آخر میں کھڑی عصمت علی پٹیل صاحب تشریف فرما تھے۔ انھوں نے مجھے برکاتی صاحب کا کمرا بتایا اور میں ان کا شکر ادا کر کے آگے بڑھ گیا۔ اب باقاعدہ میرا دل بڑی طرح دھڑک رہا تھا۔ آخر وہ عظیم ہستی مجھ سے صرف چند لمحے بعد ملنے والی تھی۔ یہ خیال ہی مجھے مسرور کیسے دے رہا تھا۔

دروازہ کھولا تو سامنے ہی ایک بڑی سی میز تھی۔ میز پر چاروں طرف فائلوں اور کاغذات کی بھر مار تھی۔ مگر سب قرینے سے فائلوں میں رکھے تھے۔ میز کے پیچھے درمیان میں ایک کرسی رکھی تھی جس پر سفید شلوار قمیض میں ملبوس شفیق مسکراہٹ بکھیرتے برکاتی انکل تشریف فرما تھے۔ سفید لباس نے ان کی شخصیت کو اور بھی بارعب بنا دیا تھا۔ میز کے دائیں طرف رعنا شاہین صاحبہ (سکریٹری) بھی تشریف فرما تھیں۔

"السلام علیکم انکل!" میں نے اندر داخل ہوتے ہی سلام کیا۔ انھوں نے بڑے محبّت بھرے لہجے میں جواب دیا اور مجھے بیٹھنے کے لیے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے یوں ہی گزر گئے۔ میں غور سے برکاتی انکل کا چہرہ دیکھتا رہا جہاں ذہانت اور شوخی رقصاں تھی۔

"آپ مجیب ظفر ہیں؟" انھوں نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

"جی ہاں میرا ہی نام مجیب ظفر ہے۔ مجھے آپ سے ملنے کا بڑا شوق تھا، اسی لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت میرے لیے نکال دیں۔" میں نے ایک ہی سانس میں جلدی جلدی اپنا مقصد بتایا تو وہ مسکرا اٹھے۔ پھر مجھ سے گفت گو کرنے لگے۔ میں ان کے سوالوں کا جواب دیتا رہا۔ درمیان میں محترمہ رعنا شاہین صاحبہ بھی گفت گو میں شریک ہو جاتی تھیں۔ ساتھیوں کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ رعنا صاحبہ نونہال ادیب مرتب کرتی ہیں اور بہت اچھی عادت کی مالک ہیں۔

گفت گو شروع ہوئی اور ایسی شروع ہوئی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ برکاتی انکل کی مزے دار اور دل چسپ گفت گو کو بس دل چاہتا ہے کہ بیٹھے رہو اور سنتے رہو۔ اسی اثنا میں برکاتی انکل نے میرے لیے چائے منگائی مگر میں نے شکریہ ادا کیا کہ میں چائے بالکل نہیں پیتا ہوں۔ اس کے بعد وہ مجھ سے میری تعلیم کے بارے میں سوالات کرنے لگے۔ اسی اثنا میں کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک بارعب شخصیت اندر داخل ہوئی۔

"بھئی بوجھو تو بھلا یہ کون ہیں؟" اچانک برکاتی انکل نے شرارت بھرے لہجے میں مجھ سے کہا۔ میں اس حملے کے لیے قطعی تیار نہ تھا۔ بوکھلا کر رہ گیا۔ رعنا باجی میری بوکھلاہٹ پر ہنس پڑیں۔ میں حیران نظروں سے آنے والی شخصیت کو دیکھ رہا تھا کہ یہ کون صاحب ہیں وہ صاحب میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔

"ان سے ملیے یہ آپ کے قاری ہیں"، برکاتی انکل نے ان صاحب سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ میں نے انھیں آداب کیا اور ذہن پر زور دینے لگا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ برکاتی انکل مسکرا کر بولے "ایک اشارہ دیتے ہیں وہ یہ کہ ان کی نظمیں ہمدرد نونہال میں بہت شائع ہوتی ہیں۔" میں پھر بھی کچھ نہ سمجھا اور دماغ پر زور دے کر پہچاننے کی کوشش کرتا رہا۔ انکل میری

اس حالت سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہے تھے۔ آخر خود ہی بتایا کہ یہ جناب قمر ہاشمی ہیں۔ میں یہ سُن کر بہت خوش ہوا۔ قمر ہاشمی صاحب بڑی بزرگوار شخصیت ہیں۔ بڑی محبت سے ملے اور میں نے ان سے آٹوگراف بھی لیا۔ رعنا شاہین صاحبہ نے بھی آٹوگراف دیا اور جب میں نے برکاتی انکل کی طرف آٹوگراف بک بڑھائی تو انھوں نے یہ لکھ کر اسے میرے حوالے کر دیا: "جس نے علم حاصل کیا وہ ظفر مند ہوا۔" گویا انھوں نے میرا نام بھی اس پیغام میں استعمال کر دیا۔

شکریہ کے ساتھ میں نے آٹوگراف بک رکھ لی اور اب اگلا مرحلہ تھا لفظوں سے دو دو ہاتھ کرنے کا۔ میں نے انکل کو سوالات کے لیے تیار ہونے کو کہا اور جھٹ سے پہلا سوال کر دیا۔

میں: ملک کے اتنے بڑے مدیرِ اعلا ہونے کے ناتے کیا محسوس کرتے ہیں آپ؟

برکاتی انکل: (مسکراتے ہوئے) بس خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔

میں: آپ ہمدرد نونہال کے علاوہ کسی اور رسالے سے بھی وابستہ ہیں؟

برکاتی انکل: جی ہاں ہمدرد کے دوسرے رسالوں کا بھی خادم ہوں۔

میں: کیا آپ کے پاس ردّی کی کوئی ٹوکری ہے؟

برکاتی انکل: (ہنستے ہوئے) نہیں، بلکہ میرا کمرا ہی ردّی کی ٹوکری ہے۔

میں: بچّوں کا پُرزور مطالبہ ہے کہ "دو مسافر دو ملک" کتابی شکل میں شائع کریں۔

برکاتی انکل: ہاں واقعی شائع کروں گا، مگر کچھ عرصے کے بعد، کیوں کہ بچّوں نے ابھی پڑھا ہے انھیں سب کچھ یاد ہے تھوڑے دنوں کے بعد شائع ہوگا تو وہ ایک نئے جوش کے ساتھ دوبارہ پڑھیں گے۔

میں: جنوری ۸۵ء سے نونہال کی قیمت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

برکاتی انکل: دراصل مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے ہر چیز کی قیمت آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔

ویسے تو ہمیں اب بھی قیمت بڑھانے کے بعد بھی نقصان ہوگا۔ پھر بھی کچھ تو فرق پڑے گا۔ ویسے ہمارا نقصان ہمدرد فاؤنڈیشن پورا کرتی ہے اسی لیے جنوری سے نونہال کی قیمت چار رُپے ہو رہی ہے۔

میں: یہ بتائیے کہ ہمدرد نونہال کا پہلا شمارہ کب شائع ہوا تھا اور اس کی قیمت کتنی تھی۔

برکاتی انکل: پہلا شمارہ ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا تھا اور اس کی قیمت دو آنے تھی۔

میں: حکیم صاحب ہمدرد نونہال کے لیے کیا خدمات انجام دیتے ہیں؟

برکاتی انکل: (مسکراتے ہوئے) بھئی یہ تو ہر نونہال کو معلوم ہوگا کہ وہ "جاگو جگاؤ" لکھتے ہیں۔ کالم "طب کی روشنی میں" تحریر کرتے ہیں اور مسلسل ہماری

رہنمائی کرتے ہیں۔

میں: اب یہ بتائیے کہ معلوماتِ عامہ کے سوالات اتنے مشکل کیوں دیتے ہیں یہ عام شکایت ہے کہ سوال بڑے مشکل ہیں اور ان کا جواب بڑی مشکل سے ملتا ہے۔

برکاتی انکل: ہاں سوالات اس لیے مشکل دیے جاتے ہیں کہ نونہالوں کے علم اور ان کی معلومات میں اضافہ ہو اور ان میں جستجو کا مادہ پیدا ہو۔ پھر بھی نئے سال سے سوالات آسان کر رہا ہوں۔

میں: ہمدرد لائبریری میں کس قسم کی اور کتنی کتابیں ہیں؟

برکاتی انکل: ہر قسم کی کتابیں موجود ہیں، تعداد کوئی پچاس ہزار ہو گی۔

میں: آپ ہمدرد نونہال میں اپنی شرارتیں کیوں نہیں تحریر کرتے؟

برکاتی انکل: (مسکراتے ہوئے) میں شریر تھا ہی کب۔ شرارت تو ذہین بچے کرتے ہیں، مگر اب ایک شرارت کرتا ہوں۔

میں: کون سی شرارت؟

برکاتی انکل: میری شرارت یہ ہے کہ نونہال مرتب کرتا ہوں۔ (یہ سُن کر میں اور رعنا باجی مُسکرا اٹھے۔)

میں: پسندیدہ مشروب؟

برکاتی انکل: چائے خوب پیتا ہوں، گو کہ زیادہ اچھی چیز نہیں مگر پھر بھی پیتا ہوں، مگر ہمارے حکیم صاحب تو چائے جانتے ہی نہیں۔

میں: میں بھی چائے نہیں پیتا۔

برکاتی انکل: بڑی اچھی بات ہے۔

میں: آخر میں ملک کے نونہالوں کو کوئی پیغام دیجیے۔

برکاتی انکل: "میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے۔"

باہر آ کر میں نے دوسری ادبی شخصیتوں مثلاً جناب شہزاد منظر، توصیف چغتائی صاحب، جناب عنبر چغتائی جناب قیوم راہی، جناب رشید الدین احمد، جناب احمد خان خلیل اور جناب کھتری عصمت علی پٹیل سے آٹوگراف لیے اور ان سب مہربان اور پُرشفیق ہستیوں کو خدا حافظ کہہ کر واپس آ گیا۔ میں نے ایسے ہی کسی خیال کے تحت لفافے سے حکیم صاحب اور برکاتی انکل کی تصویریں نکالیں اور انھیں دیکھنے لگا۔ ان دونوں حضرات کی آنکھوں میں مجھے ایک خاص قسم کی چمک محسوس ہوئی۔ میں نے اس چمک میں غور کیا گویا یہ چمک پکار پکار کر کہہ رہی ہو۔

"دیکھو ہماری طرف دیکھو ہم علم و ادب، شرارت و انکساری کے منبع ہیں تم بھی علم حاصل کرو، بڑوں کا ادب کرو، چھوٹوں پر شفقت کرو اور اپنے سے چھوٹے سے محبّت سے پیش آؤ، ان پر مہربانی کرو تم بھی ایک دن ایسے ہی بن جاؤ گے۔"

اس طرح میری زندگی کا خوش گوار ترین دن شام کے سایوں میں گم ہوتا چلا گیا۔ مجھے ساری عمر یہ دن یاد رہے گا۔

ہمدرد نونہال، جنوری ۱۹۸۵ء

خُوباں
صحت کے لئے ایک خُوب غذا

تازہ پھلوں اور خشک میوہ جات کا نفیس و لطیف اور خوش ذائقہ سنہرا شربت
خُوباں جس میں شامل ہاضم، مقوّی جسم و جاں اور حیات بخش اجزائے غذائی نے اسے
ایک منفرد ٹانک بنادیا ہے۔ خُوباں، دواؤں سے بڑھ کر انسانی جسم کی حقیقی
اور فطری غذائی ضرورتوں پر ہمدرد کے طویل تجربہ کا ماحصل ہے۔

خُوباں بچوں کو چاق و چوبند اور بڑوں کو چست و توانا رکھتا ہے۔
خُوباں استعمال کرنے والے بچے تعلیم اور کھیل کود میں بڑے جی جان سے حصّہ لیتے ہیں۔
صحت مند لوگوں کے لئے خُوباں کا استعمال یوں بھی مناسب ہے کہ اس سے
جسم و جاں کو خوب اجزائے غذائی میسّر آتے رہتے ہیں اور شب و روز کی ذہنی محنت
یا جسمانی مشقت سے کوئی تھکن یا سُستی پیدا نہیں ہوتی۔ لاغر اور
بیماری سے اٹھے ہوئے لوگوں کے لئے خُوباں ایک مفید اور مؤثر غذائی ٹانک ہے۔

کھلاڑیوں کے لئے خُوباں ایک ضرورت ہے۔ کھیل شروع کرنے سے پہلے اس کے دو چمچے پینے سے
جسم میں مناسب طاقت و چستی پیدا ہوتی ہے اور کھیل کے بعد خُوباں توانائی بحال کرتا ہے۔

خُوباں گھر کے ہر فرد کے لئے ہر موسم میں تن درستی اور توانائی بہم پہنچاتا ہے۔
خُوباں کے دو چمچے غذا کے بعد آپ کی توانائی برقرار رکھتے ہیں۔

ہمدرد — **خُوباں** خوش ذائقہ سنہرا شربت

معلوماتِ عامہ ۲۲۴ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے معلوماتِ عامہ کے جوابات میں حصّہ لینے والوں میں دِل چسپی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویریں کیوں شائع نہیں کی گئیں، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے جن کی عمر اچھی ہوگئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامّل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام ہے معلوماتِ عامہ ۲۲۴ کے صحیح جوابات یہ ہیں:

۱ ۔ قرآن حکیم کی سورۂ اخلاص میں زیر حرف ایک بار آیا ہے ۔

۲ ۔ ۴ ۔ جنوری ۱۹۳۱ء کو تحریکِ آزادی اور مسلم لیگ کے رہنما مولانا محمد علی جوہر کا انتقال ہوا ۔

۳ ۔ برِصغیر (پاکستان اور ہندستان) کے سب سے اونچے مینار کا نام قطب مینار ہے ۔

۴ ۔ برِصغیر کی پہلی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے مجاہد جنرل بخت خاں کے باپ کا نام عبداللہ خاں ہے ۔

۵ ۔ رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ بلوچستان ہے ۔

۶ ۔ دریائے نیلم آزاد کشمیر میں واقع ہے ۔

۷ ۔ آر ۔ سی ۔ ڈی (R.C.D.) کے پہلے پاکستانی سکریٹری جنرل کا نام جناب مسرت حسین زبیری ہے ۔

۸ ۔ سابق عالمی ہیوی ویٹ چیمپین محمد علی ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے تھے ۔

۹ ۔ جمعیت العلمائے اسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے قائم کی تھی ۔

۱۰ ۔ انڈونیشیا کے سب سے بڑے جزیرے کا نام بورنیو ہے جس کا موجودہ نام کالیمنتان ہے ۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی اسلام الدین انصاری سلیم انور عباسی **سیال کوٹ** نادر شاہین

انتظار حسین انصاری روحی ابدالی عنبرین شاہین

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

سید مظہر علی جعفری، حسین آگاہی | مظہر اقبال مظہر، سکھو | غلام مرتضیٰ غوری، ملتان | مسعود سرور گوندل، ملتان

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

حیدر آباد محمد صابر محمد احمد **سوڈی گوجر** سیالکوٹ **سکھو**

ارسلان خاتون **پنڈ دادخان** محمد صدیق صابری نبیل شاہین راجا ظفر محمود ظفری

عبدالوحید عبدالستار شیخ ایم یونس رضا پیرزادہ مسعود احمد صدیقی لودھراں اشہد شاہین محمد الطاف عزیز میمن، حیدر آباد

آٹھ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں

محمد نادر، کراچی | محمد یاسین گوجر، کراچی | محمد اختر، کراچی | محمد سعید، کراچی | محمد عابد، کراچی

فہیم الرحمٰن، کراچی | محمد ایاز، کراچی | محمد جاوید نقوی، کراچی | سید حسین عباس، کراچی | شاہ محمد منیب الرحمٰن، حیدرآباد

آٹھ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
حمیرا شاہ معین
شارق علی زیدی
محمد یاسین گوجر
نسرین محمد اسماعیل
سید کاشف محمود
شگفتہ جبیںؔ
شہناز فاطمہ
سمینہ عالیہ
شبنم قربان علی
انجم پروین
محمد فیاض قوتی والا
شبانہ عزیز
نجمہ عبدالمجید
عظمیٰ سعید
زاہدہ جان محمد
شمیم اسماعیل
پروین محمد اسماعیل
شہناز اسلام
طاہرہ پروین
نزاکت حسین
عقیل احمد
مشتاق رحمت اللہ
سید محمد اقبال احمد زیدی

حیدرآباد
رابعہ خاتون شاہ
جمیلہ مبین
نافعہ خاتون
مرزا توصیف بیگ
رافعہ شاہ

نواب شاہ
عظمیٰ سلیم

سکھر
افشین اسرار
راحت اسرار

فیصل آباد
نیاز محی الدین

گوجرانوالہ
سہیل صدیق
شاہ محمد معین الرحمٰن، جدہ

اکثر نونہال جو خبریں بھیجتے ہیں، اُن کے ساتھ اخبار یا رسالے کا تراشہ نہیں بھیجتے نہ اخبار، رسالے یا کتاب کا نام لکھتے ہیں، اس لیے اُن کی خبریں اچھی ہونے کے باوجود شائع نہیں کی جاسکتیں۔ نونہالوں سے درخواست ہے کہ وہ ہر خبر کا اوّل تو کوشش کریں کہ تراشہ ساتھ لگائیں جس پر اخبار وغیرہ کا نام بھی لکھا ہو۔ اگر تراشہ نہ بھیج سکیں تو کتاب، اخبار یا رسالے کا نام اور تاریخ ضرور لکھا کریں۔ بات یہ ہے کہ ہم ہمدرد نونہال میں کوئی ایسی چیز شائع نہیں کرنا چاہتے جس کی کوئی سَنَد یا حوالہ نہ ہو، کیوں کہ ہمدرد نونہال کے سب پڑھنے والے اس رسالے پر اعتبار کرتے ہیں اور اس میں چھپی ہوئی ہر چیز کو صحیح سمجھتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھیے کہ آپ کی ہر تحریر کاغذ کے صرف ایک طرف ہو اور آپ کا پورا پتا اس پر لکھا ہو۔ شکریہ۔

کھانسی کا حملہ
نزلہ زکام
کا دور
مناسب احتیاط اور سُعالین کے بروقت استعمال سے
ان تکالیف کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔ جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ
شعالین نزلہ، زکام اور کھانسی کا مفید علاج بھی ہے
اور اُن سے بچاؤ کی تدبیر بھی۔
سُعالین
نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا
ہمدرد
نوزو
نمک پھوار
ناک کے ورم، سوزش اور بندش کے لیے مفید۔
ایک پھوار ناک کھول دیتی ہے۔
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

جنوری ۱۹۸۵
ہمدرد نونہال
رجسٹرڈ ایس نمبر ۹۰۳

ہوگا دنیا میں تو بے مثال   میرے بچے میرے نونہال

فطری طور پر کوئی دو بچے اپنی شکل وصورت، عادات و اطوار اور دماغی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے اور یوں ہر بچہ بے مثل کہلایا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر ماں اپنے بچے کو انفرادی طور پر ایک تن درست، روشن دماغ اور بے مثل کامیاب انسان دیکھنا چاہتی ہے۔ اس آرزو کی تکمیل کا زیادہ تر انحصار بچے کی صحیح اور صحت مند پرورش پر ہے۔

دور اندیش مائیں اپنے بچوں کی صحت مند پرورش اور آرام وسکون کے لیے انہیں نونہال ہربل گرائپ واٹر باقاعدگی سے دیتی ہیں۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ خوش ذائقہ نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی آئے دن کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، قے دست، بے خوابی، دانت آنا اور پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے ایک مفید اور مؤثر گھریلو دوا ہے۔

Naunehal
Herbal Gripe Water

Hamdard

نونہال
ہربل گرائپ واٹر

بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے